

زیر سرپرستی  
مولانا وحید الدین خان  
صدر اسلامی مرکز

# الرسالہ

Al-Risala

زندگی ایک سفر ہے  
مگر اکثر لوگ  
زندگی کو منزل سمجھ لیتے ہیں۔

نومبر ۱۹۹۳      شماره ۲۰۴

Rs. 6

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# الرسالہ

اردو، ہندی اور انگریزی میں شائع ہونے والا اسلامی مہرکا ترجمان

نومبر ۱۹۹۳ء، شمارہ ۲۰۴

۱۴	بڑا دل	۴	ایک آیت
۱۵	گمزور تعمیر	۵	رسول کا طریقہ
۱۶	کل اور آج	۷	دومنٹ کی بات
۱۷	مستقبل کو دیکھئے	۹	دو خبریں
۱۸	نیاطلوع	۱۰	حوصلہ مندی
۱۹	حکیمانہ تدبیر	۱۱	صبح کا انتظار
۲۰	ودیشا کا سفر	۱۲	ہار کے بعد جیت
۲۷	سفر بندرا بن	۱۳	شام کے بعد صبح

AL-RISALA (Urdu) Monthly

1, Nizamuddin West Market, New Delhi -110 013, Tel. 4611128, 4697333

Fax: 91-11-4697333

Single Copy Rs. 6 □ Annual Subscription Rs. 70/\$25 (Air-mail)

## ایک آیت

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ — اور مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے، (آیہ کر فطی سے ایسا ہو جائے) (النساء، ۹۲) پھر قاتل کا حکم بتانے کے بعد کہا گیا کہ جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے، اور اللہ نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے (النساء، ۹۲) ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں :

يقول تعالى ليس لؤ من ان يقتل  
انواه المؤمن بوجه من الوجوه  
كما ثبت في الصحيحين عن ابن  
مسعود ان رسول الله صلى الله عليه  
وسلم قال : لا يحل دم امرئ مسلم  
يشهد ان لا اله الا الله وانى  
رسول الله الا باحد من ثلاث  
النفس بالنفس والثيب الزاني  
والتارك لدينه المفارق للجماعة  
ثم اذا وقع شي من هذه الثلاث  
فليس لاحد من آحاد الرعية  
ان يقتله وانما ذلك الى الامام  
او نائبه (۵۲۳)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مومن کے لیے سزاوار نہیں کہ وہ اپنے بھائی مومن کو قتل کرے۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک مسلم جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اس کا خون جائز نہیں۔ الا تین میں سے ایک کا کسی کی جان مارنا یا شادی شدہ زانی اور وہ شخص جو دین کو چھوڑ کر جماعت سے الگ ہو جائے (حدیث) پھر جب ان تین میں سے کوئی واقعہ ہو تب بھی امام لوگوں میں سے کسی شخص کے لیے درست نہیں کہ وہ مجرم کو قتل کر دے۔ اس حکم کا نفاذ صرف امام یا اس کے نائب پر ہے۔

واضح ہو کہ یہاں ”امام“ سے مراد امام خمینی جیسا کوئی مذہبی پیشوا نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد حاکم سلطنت ہے۔ یہ حاکم سلطنت یا اس کے مقرر کردہ با اختیار شخص کا حق ہے۔ نہ کہ کسی مفتی یا امام یا کسی خود ساختہ مجاہد کا حق۔

## رسول کا طریقہ

حدیبیہ کے سفر (۵۶) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً دو ہفتہ تک حدیبیہ کے مقام ٹھہرے تھے۔ یہ دو ہفتہ صورت حال کے مطالعہ اور قریش تکہ سے بات چیت میں گزرا۔ اس دوران مکہ کے بہت سے لوگ آپ سے ملنے کے لیے آئے۔ ان میں ہدیل بن درقاہ، انحرزاعی، یس بن طقمہ، عروہ بن مسعود اشجینی بھی تھے۔ یہ تینوں اپنے اپنے قبیلہ میں سردار کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ لوگ اگرچہ مشرکین میں سے تھے۔ مگر وہ فطری طور پر انصاف پسند تھے۔ انہوں نے مکہ واپس جا کر آپ کے بارہ میں قریش کو اچھی رپورٹ دی۔ انہوں نے رسول اور اصحاب رسول کے خلق بتایا کہ وہ لوگ جنگ کے لیے نہیں آئے ہیں بلکہ عمرہ کے لیے آئے ہیں، اس لیے ان کو روکا جائے۔ ایک سردار نے کہا کہ کیا اس آدمی کو بیت اللہ کی زیارت سے روکا جائے گا جو اس کی

عظیم کے لیے آیا ہے (أَيُّضًا عَنْ بَيْتِ اللَّهِ مِنْ جَاءِ مُعَظَّمِ الْمَدِينَةِ) ۳۱۱/۲

یہ بیانات واضح طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تھے۔ مگر آپ نے انہیں مطلق استعمال نہیں کیا۔ قریش کے ساتھ گفتگو میں آپ نے کبھی ان لوگوں کی باتوں کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کی باتیں خواہ کتنی ہی زیادہ منصفانہ کیوں نہ ہوں، وہ عملی طور پر بے فائدہ تھیں کیونکہ قریش ہرگز ان کو ماننے والے نہ تھے جو اس وقت تک کے سرکش سرداروں کے یراث تھے۔ چنانچہ اس قسم کی موافق رپورٹوں اور بیانات کے باوجود آپ نے قریش کے طالبات کو ایک طرف طور پر مان لیا۔ اور وہ امن معاہدہ مکہ کے مدینہ واپس چلے آئے جس کو صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے۔

اس واقعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خصوصی سنت معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ جب کسی سے نزاع پیدا ہو تو منطقاً انصاف کے بجائے "عملی حل" کو اہمیت دینا چاہیے۔ ایسے حالات میں یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ کس آدمی نے ہمارے موافق بات کہی ہے یا ہمارے نقطہ نظر سے منصفانہ بیان دیا ہے۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ جن لوگوں کے ساتھ اصلاً نزاع برپا ہوئی ہے وہ خود کس طرح نزاع کو ختم کرنے پر راضی ہوں گے، اور پیدا شدہ مسئلہ کا عملی حل

کیا ہے۔ اس طرح کے معاملات میں اصل مقصود مسئلہ کا عملی حل ہے نہ کہ مسئلہ کا منطقی تجزیہ۔ اس سنت کا تقابل ہندوستانی مسلمانوں کے موجودہ طریقہ سے کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے دانشور اور رہنما مسلسل طور پر اس سنت نبوی کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ آدھی صدی سے وہ یہی کر رہے کہ مسلم۔ ہندو معاملات میں وہ مسئلہ کے عملی حل کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ البتہ کوئی غیر مسلم اگر قانونی تجزیہ کر کے ایسی بات کہے جس سے مسلمانوں کی حمایت نکلتی ہو تو فوراً وہ اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔

مثلاً اگر کوئی غیر مسلم کچھ نکتوں کو لے کر یہ کہہ دے کہ ملک کا بیٹوارہ مسلمان نے نہیں کرایا بلکہ ہندوؤں نے کرایا۔ کوئی کمیشن یہ لکھ دے کہ فلاں فساد میں اصل غلطی پولیس کی تھی۔ کسی اخبار میں یہ چھپ جائے کہ مسلمانوں کے ساتھ سرکاری سرسوں میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ اس طرح کی کوئی بات کوئی غیر مسلم کہے یا لکھے تو مسلمان خوب اہتمام کے ساتھ اس کا چرچا کرتے ہیں۔ مگر انہیں ایسی باتوں کی طرف کوئی رغبت نہیں ہوتی جس میں صلح حد پیہر کے اصول پر عملی حل کی تدبیر بتائی گئی ہو۔ مسلم دانشوروں اور مسلم رہنماؤں کا یہ مزاج کھلے طور پر سنت رسول کے خلاف ہے۔ اور جو مسلم گروہ سنت رسول کے خلاف چلے اس کے لیے خدا کا فیصلہ ہے کہ وہ کبھی اس دنیا میں عزت کی زندگی حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوگا۔

دو گروہوں کے جھگڑے میں جو لوگ آئیڈیولزم کی بات کریں، ان کی بات کچھ سادہ لوح افراد کو اچھی لگ سکتی ہے۔ مگر یقینی طور پر یہ اصل مسئلہ کا حل نہیں۔ اجتماعی جھگڑے، خواہ وہ مسلمان اور مسلمان کے درمیان ہوں یا مسلمان اور غیر مسلمان کے درمیان، ان میں ہمیشہ ایسی نزاکتیں شامل ہو جاتی ہیں جو معیاری حل میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ ایسے موقع پر معیاری حل کی بات کرنا صرف مسئلہ کو مزید پیچیدہ بناتا ہے نہ کہ مسئلہ کو ختم کرنا۔

عقل اور دین دونوں کا تقاضا ہے کہ ایسے موقع پر عملی حل کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ معیاری حل خارجی اصولوں کی بنیاد پر وضع کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس عملی حل معاملہ کے دونوں فریقوں کی رعایت کے تحت مقرر کیا جاتا ہے۔ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ایسے موقع پر معیاری حل ایک شاعری ہے۔ اور عملی حل مسئلہ کے خاتمہ کی طرف ایک حقیقی قدم۔

## دومنٹ کی بات

لندن کی ایک ٹی وی کمپنی انسائٹ ٹیلی ویژن (Insigh Television) کی ٹیم ۱۰ مارچ ۱۹۹۲ کو اسلامی مرکز میں آئی۔ انھوں نے کہا کہ ہم ۱۲ منٹ کا ایک ویڈیو پروگرام ریکارڈ کر رہے ہیں۔ اس میں چھ آدمی دو دو منٹ کے لیے بولیں گے۔ یہ پروگرام ساری دنیا میں دکھایا جائے گا۔ ہر آدمی سے ایک سوال کیا جائے گا اور وہ صرف دو منٹ میں اس کا جواب دے گا۔ سوال یہ تھا:

We are today a deeply divided society. To what principle of life should we turn, Hindus and Muslims and others, so that we can live in harmony?

میں نے کہا کہ اس کا جواب بالکل سادہ ہے۔ ایک بچہ آپ سے پوچھے کہ مجھ کو گلاب کا پھول لینا ہے۔ لیکن گلاب کے پتھریں کانٹے بھی ہیں۔ پھر میں کیا کروں۔ آپ کہیں گے کہ تم کانٹے سے بچو اور اس کے پھول کو لے لو۔ یہی معاملہ انسان کا بھی ہے۔ انسان کے اندر بھی کانٹا اور پھول دونوں ہیں۔ ایگو اس کا کانٹا ہے اور کائنات اس کا پھول ہے۔ آپ انسان سے معاملہ کرتے ہوئے ایسا کریں کہ اس کے ایگو کو نہ پھیریں۔ آپ ہمیشہ اس کے کائنات کو بچ کریں۔ اس کے بعد سماج میں ہر طرف ہارمنی ہی ہارمنی دکھائی دے گی۔

ہر آدمی کے اندر فطری طور پر دو فیکٹی ہوتی ہے۔ ایگو اور کائنات۔ ایگو نفرت کا سوس ہے اور کائنات محبت کا سوس۔ مگر دونوں ہی سوئی ہوئی حالت میں ہیں۔ یہ آپ کے اوپر ہے کہ آپ دونوں میں سے کس کو جگائیں۔ اگر آپ نے ایگو کو جگایا تو آپ کو اس سے نفرت اور دشمنی ملے گی۔ اور اگر آپ نے کائنات کو جگایا تو محبت اور دوستی آپ کے حصہ میں آئے گی۔

دھرم پر دیش کے ایک ٹاؤن میں ہندوؤں کا جلوس نکلا۔ وہ چلتا ہوا مسلم ایریا میں آیا۔ یہاں مسجد کے امام سے جلوس والوں کی تکرار ہو گئی۔ کچھ مسلم نوجوانوں نے جلوس پر پتھر پھینکے اور پھر فرقہ وارانہ فساد ہو گیا۔ بعد کو امام صاحب کی سمجھ میں آیا کہ فساد کا سبب یہ تھا کہ جلوس پر پتھر پھینک کر جلوس والوں کے ایگو کو بڑھا دیا گیا۔ انھوں نے طے کیا کہ اب جلوس نکلا تو وہ ان کے کائنات کو جگائیں گے۔

اگلے سال پھر اسی طرح ہندوؤں کا جلوس نکلا۔ جب وہ چلتا ہوا مسجد کے سامنے پہنچا تو امام صاحب پیشگی منصوبہ کے تحت پھولوں کا ہار لے کر باہر آئے۔ انھوں نے جلوس کے ہندو لیڈر سے کہا: ہم آپ کا سواگت کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر انھوں نے پھولوں کا ہار لیڈر کے گلے میں ڈال دیا۔

جیسے ہی امام صاحب نے ایسا کیا لیڈر کی گردن انسانیت کے اعتراف میں جھک گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر امام صاحب کو پر نام کیا۔ اس نے کہا کہ امام صاحب، مسلمانوں کے پتھر مجھ کو نہیں جھکا سکے تھے، مگر آپ کے پھولوں نے مجھ کو جھکا دیا۔ اب تک میں آپ کو دشمن کے روپ میں دیکھتا تھا۔ مگر آج سے آپ میرے دوست ہیں۔ اور یہ دوستی اب کبھی ٹوٹنے والی نہیں۔

دونوں میں فرق کا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کا پچھلا رویہ لیڈر کے ایگو کو جگانے والا تھا۔ امام صاحب کے موجودہ رویہ نے لیڈر کے کائنات کو جگا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پچھلے سال جہاں ہندوؤں اور مسلمانوں نے ایک دوسرے کو مارا تھا، وہیں دونوں ایک دوسرے سے گلے ملنے لگے۔ کل کے دشمن آج کے بھائی بھائی بن گئے۔

دونوں واقعہ میں فرق کیا ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ سبھی کے مسلمانوں نے اس سے پہلے جلوس والوں کی انا کو بھڑکایا تھا۔ اب انھوں نے جلوس والوں کے ضمیر کو جگا دیا۔ انا نفرت کا سرچشمہ ہے اور ضمیر محبت کا سرچشمہ۔ انا سے آگ اور دھواں نکلتا ہے اور ضمیر سے خوشبو اور ٹھنڈک۔ انا انسانیت کو توڑنے والی ہے اور ضمیر انسانیت کو جوڑنے والی۔

عام طور پر لوگ انسانوں کو اچھے اور برے کے خانے میں بانٹتے ہیں، وہ کچھ انفرادی کو دوست سمجھ لیتے ہیں اور کچھ اور افراد کو دشمن۔ مگر یہ تقسیم مصنوعی ہے۔ اپنی ابتدائی فطرت کے اعتبار سے تمام انسان صرف انسان ہیں۔ وہ اپنی اصل فطرت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے لیے بے ضرر ہیں۔ ہر انسان اپنے ذاتی مفاد میں اتنا مشغول ہے کہ اس کو دوسرے کے ساتھ دشمنی کرنے کی فرصت نہیں۔

اس کے باوجود دشمنی کیوں پیدا ہوتی ہے۔ دشمنی ایک استثنائی حالت ہے نہ کہ عام اور معتدل حالت۔ دشمنی ہمیشہ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ قول یا عمل سے کسی کے غصہ کو بھڑکایا جائے۔ اگر آپ آدمی کے اندر سوئے ہوئے غصہ کو نہ بھڑکائیں تو آپ اس کے نقصان سے بھی لازمی طور پر بچے رہیں گے۔

## دو خمبیں

آپ ۱۶ جون ۱۹۹۳ء کا ہندستان ٹائٹس یا ٹائٹس آف انڈیا دیکھیں تو آپ کو دو بالکل مختلف قسم کی خبریں پڑھنے کو ملیں گی۔ ایک طرف دونوں میں یہ خبر ہے کہ دہلی کا ایک تاجر کرشن کمار (۴۵ سال) پنجاب نیشنل بینک (کیثو پورم) سے چار لاکھ پینتالیس ہزار روپیہ لے کر واپس آ رہا تھا کہ راستہ میں ۱۲ بجے دن کو چار نوجوان سفید ماروتی کار پر آئے۔ انھوں نے تاجر کے اسکوٹر کو روکا۔ ریوالور سے گولیاں چلا کر اسے گرا دیا اور اس کا بریف کیس لے کر فرار ہو گئے۔

دوسری طرف دونوں ہی اخباروں میں ایک اور خبر ہے۔ دہلی کا ایک ہیڈ کانسٹیبل پریم پال (قرول باغ) رات کو گشت کر رہا تھا۔ اس کو سوریہ کرن ہٹول کے پاس ایک بریف کیس پڑا ہوا ملا۔ اس نے کھولا تو اس کے اندر دوسرے کاغذات کے علاوہ ۹۷ ہزار روپیہ نقد رکھا ہوا تھا۔ اس نے فوراً بریف کیس کو بند کیا اور اس کو لا کر اسی طرح ستانہ میں جمع کر دیا۔ ستانہ کے ذمہ دار اب بریف کیس کے اصل مالک کو تلاش کر رہے ہیں۔

یہ ایک علامتی خبر ہے جو بتاتی ہے کہ سماج میں ہمیشہ دونوں قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اچھے بھی اور برے بھی۔ اس لیے کسی سماج کے بارہ میں رائے قائم کرتے ہوئے آدمی کو بہت زیادہ محتاط ہونا چاہیے۔ اس کو نہ ایک طرف پوری طرح جھک جانا چاہیے اور نہ دوسری طرف۔

مذکورہ خبروں میں اگر کوئی شخص ایسا کرے کہ وہ صرف کرشن کمار کے واقعہ کو لے لے اور اس کو عام بنا کر یہ کہے کہ ہندستان کے لوگ تو سب کے سب قاتل اور لیٹھے ہیں۔ تو اس کی یہ رائے درست نہ ہوگی۔ اسی طرح کوئی شخص پریم لال کے واقعہ کو لے اور اس کو عمومی صورت دے کر یہ کہنے لگے کہ ہندستان کے تمام آدمی انتہائی دیانتدار ہیں تو یہ بات بھی واقعہ کے مطابق نہ ہوگی۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ ہر سماج میں دونوں ہی طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ہمیں اس دنیا میں اس طرح رہنا ہے جیسے کہ ہم ایک ایسے راستہ میں چل رہے ہوں جس میں کانٹے بھی ہوں اور اسی کے ساتھ پھول بھی۔ ایسے راستہ کے مسافر کے لیے کامیاب سفر کی تدبیر صرف ایک ہے۔ وہ کانٹوں سے اپنا دامن بچائے، اور پھولوں سے محفوظ ہوتے ہوئے اپنی منزل کی طرف بڑھتا رہے۔





## صبح کا انتظار

ہر شام کے بعد دوبارہ نئی صبح آتی ہے۔ مگر صبح کو پانے والا صرف وہ شخص ہے جو صبح کے نئے تک اس کا انتظار کرے۔ اس دنیا میں روشن صبح اپنے آپ آتی ہے۔ مگر انتظار کرنے لے اس کا انتظار نہیں کرتے۔

انسان کی سب سے بڑی کمزوری بھلت پسندی ہے۔ وہ تاریک حالات کو دیکھ کر برا اٹھتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ دنیا میں رات اور دن کا نظام ہر روز اس کو سستی دے رہا ہے کہ روشنی بہ حال آئے گی، کوئی تاریکی اتنی لمبی نہیں ہو سکتی جو آنے والی روشن صبح کو نئے سے روک دے۔

دنیا میں تمیزاں بھی ہیں۔ لیکن تلخیوں کو اگر سہل لیا جائے تو اس کے بعد مٹھا سس بھی ضرور رہتی ہے۔ یہاں آدمی ناکامیوں سے بھی دوچار ہوتا ہے، لیکن ہر ناکامی وقتی ناکامی ہے۔ اگر وقتی ناکامی کی چوٹ برداشت کر لی جائے تو اس کے بعد لازماً وہ مرحلہ آتا ہے جو آدمی کو کامیابی کی راہ پر پہنچا دے۔

موجودہ دنیا میں کسی چیز کو ٹھہراؤ نہیں۔ اسی طرح یہاں کامیابی اور ناکامی کو بھی ٹھہراؤ نہیں۔ یہاں ہر ناکامی کے بعد کامیابی ہے، اور ہر کامیابی کے بعد ناکامی۔ اس لئے آدمی کو اپنے لئے کہ کامیابی پیش آئے تب بھی وہ اعتدال پر قائم رہے، اور ناکامی کا تجربہ ہوتے ہی اعتدال اور توازن کو دیکھوئے۔

جس طرح صبح اپنے آپ آتی ہے، اسی طرح اس دنیا میں ناکامی کے بعد کامیابی بھی اپنے آپ آتی ہے۔ آدمی کو صرف یہ کرنا ہے کہ وہ انتظار کی ہمت کر سکے۔ اس دنیا میں ہر ناکامی ایک نئی وقفہ ہے اور ہر کامیابی آئندہ ظاہر ہونے والا لازمی واقعہ۔

جس طرح شام کا آنا یقینی ہے اسی طرح شام کے بعد صبح کا ظاہر ہونا بھی یقینی ہے۔ ایک ایسی بائیں مایوسی کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ کائنات کا پورا نظام جس کے ساتھ ہو اس کو کسی اور سے پیشہ کرنے کی کیا ضرورت۔

## ہار کے بعد جیت

شکست خواہ کتنی ہی بڑی ہو، وہ ہمیشہ وقتی ہوتی ہے۔ اور دوبارہ زیادہ بہتر منصوبہ بندی کے ذریعہ اس کو فتح میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ اس دنیا میں ہر چیز عارضی ہے، اسی طرح ہار کا عارضی ہے، اس دنیا میں کوئی ہار مستقل ہار نہیں۔

ہارنے کے بعد آدمی کے لئے دو راستے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ جنگ ہارنے کے بعد ہمت بھی ہار جا۔ وہ پست ہمت ہو کر بیٹھ رہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ یہ سوچنے میں لگ جائے کہ میں ہار تو لیکر ہوں وہ فریق ثنالی کے جیتنے کا سبب اور اپنے ہارنے کا سبب معلوم کرے۔

یہ دوسری سوچ آدمی کے ذہن کو کھولتی ہے۔ اس کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ زیادہ اعلیٰ تیار کے ساتھ دوبارہ امتحان کر سکے۔ اور جو شخص ایسا کرے وہ پہلے ہار نہیں تو دوسری بار ضرور کامیاب ہو کر رہتا ہے۔

اس دنیا میں ناکامی کے ساتھ کامیابی لگی ہوئی ہے اور کامیابی کے ساتھ ناکامی وابستہ ہے۔ شخص ناکام ہو جائے، اس کے اندر دوبارہ اٹھنے کے لئے نیا عزم جاگتا ہے۔ اس کے دماغ کے نئے نئے گوشے بیدار ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف جو آدمی کامیاب ہوا ہو، اس کی زندگی میں ٹھہرا آجاتا ہے۔ وہ اطمینان کی نفسیات میں مبتلا ہو کر سوچاتا ہے۔

اس طرح ہارنے والے کے لئے ہار نئی زندگی کا سبب بنتی ہے، اور جو آدمی جیتتا ہے اس کی جیت اس کو سلا کر زندگی سے محروم کر دیتی ہے۔ آدمی اگر اس حقیقت کو جانے تو وہ کبھی مایوس نہ ہو۔ ناکامی کے بعد کبھی بددلی کا شکار نہ ہو، خواہ اس کی ناکامی بظاہر کتنی ہی زیادہ بڑی کیوں نہ ہو۔

یہ دنیا ہارنے کے بعد جیتنے اور جیتنے کے بعد ہارنے کا کھیل ہے۔ اس دنیا میں کامیاب کھلاڑی وہ ہے جو کھیل پر نظر رکھے نہ کہ ہار اور جیت میں کو کر رہ جائے۔

شکست وقتی حادثہ ہے، شکست مستقل بربادی نہیں۔ شکست آپ کو باہر کی چیزوں سے محروم کرتی ہے۔ وہ آپ کے اندر کی چیزوں کو آپ سے ہمیں چھینتی۔ آپ اپنے اندر کی چیزوں کو لے دوبارہ نئی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

## شام کے بعد صبح

ایک شخص نے کہا کہ شام ہوگئی۔ دوسرا شخص بولا: یوں کہو کہ صبح آنے والی ہے۔ اگر آپ معاملات کو حال کے اعتبار سے دیکھیں تو نفاہر آپ کو تاریکی دکھائی دے گی۔ لیکن اگر آپ معاملہ کو مستقبل کے اعتبار سے دیکھیں تو سامنے کے افق پر روشنی ابھرتی ہوئی نظر آنے لگے گی۔

بیشتر لوگوں کی نظر اپنے آج پر ہوتی ہے۔ اس لئے اگر ان کے آج کے حالات اچھے نہ ہوں تو وہ سمجھ لیتے ہیں کہ انھیں اچھی زندگی حاصل نہیں۔ حالاں کہ عقلمندی کی بات یہ ہے کہ آنے والے کل پر نظر رکھی جائے۔ تجربات بتاتے ہیں کہ اکثر آنے والا کل ایسے مواقع لے کر آتا ہے جس کو اس سے پہلے آدمی نے سوچا بھی نہیں تھا۔

زمین ہر لمحہ گھوم رہی ہے۔ زمین کے اوپر بار بار شام بھی آتی ہے اور صبح بھی طلوع ہوتی ہے۔ جن لوگوں کی نظر صرف قریب پر ہو، وہ جب شام کو دیکھیں گے تو کہہ دیں گے کہ اب تو زندگی کی شام آگئی۔ مگر جو لوگ دور تک دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ شام کو شام کے اعتبار سے نہ دیکھو۔ اس کو اس نظر سے دیکھو کہ وہ آنے والی صبح کی تہیہ ہے۔

زندگی میں جب بھی کوئی ناموافق صورت حال پیش آئے تو وہ ایک نئی موافق صورت حال کی تہیہ ہوتی ہے۔ وہ ایک نئے مستقبل کی خبر دیتی ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ ایسی کاشکار ہونے کے بجائے اپنے ذہن کو استعمال کرے۔ وہ اپنی سوچ کو حرکت میں لا کر آگے بڑھ جائے۔

اس دنیا میں آدمی جو کچھ پاتا ہے، اس سے بہت زیادہ وہ ہے جس کو اس نے نہیں پایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تھوڑے کو کوئی زیادہ کو پانے کا موقع پھر بھی آدمی کے لئے باقی رہتا ہے۔ آدمی ذرہ کو کوئی انٹکس کو تاتا ہے حالاں کہ ابھی پورا اپہاڑ اس کے حصول کے امتحان کے لئے موجود ہے۔ وہ ایک قطرہ سے محرومی پر فریاد کرتا ہے، وہ بھول جاتا ہے کہ ابھی تو خدا کی دنیا میں پورا اسمندر باقی ہے جس کو پانے کے لئے وہ از سر نو اپنی کوششوں کو جاری کر سکے۔

دنیا میں کوئی کھونا آخری کھونا نہیں۔ ہر کھونے کے بعد پانے کا نیا امکان آدمی کے لئے موجود رہتا ہے۔ عقل مند وہ ہے جو کھونے کو مہلا دے، وہ ہمیشہ پانے کی طرف دیکھتا رہے۔

## بڑا دل

بڑے دل والا آدمی ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے، اور چھوٹے دل والا آدمی ہمیشہ ناکام۔ اس دنیا میں کامیابی کسی کو اس کے دل کے پیمانہ سے ملتی ہے۔ یہاں کامیابی کا اصول یہ ہے کہ جتنا بڑا دل اتنی ہی بڑی کامیابی۔

اس دنیا میں کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل کرنے کے لئے قریبی حالات سے اوپر اٹھ کر سونپنا پڑتا ہے۔ لوگوں کے سلوک سے بلند ہو کر ان کے ساتھ معاملہ کرنا ہوتا ہے۔ لوگوں کو یہ خیال کئے بغیر دیا جاتا ہے کہ انہوں نے ہم کو کیا دیا اور کیا نہیں دیا۔

اس قسم کا کردار بڑے دل کے بغیر ممکن نہیں، اس لئے اس دنیا میں بڑے دل کے بغیر کوئی بڑی کامیابی سمجھ سکی کوئی نہیں۔ خواہ ایک ملک ہو یا دوسرا ملک، خواہ ایک زمانہ ہو یا دوسرا زمانہ، ہر مقام پر اور ہر جگہ کے لئے یہی ایک اصول ہے۔ اس میں کسی کا کوئی استثناء نہیں۔

جو آدمی چھوٹے دل کا ہو وہ ذرا ذرا سی بات میں لوگوں کے خلاف شکایت لے کر بیٹھ جاتا ہے۔ وہ ان معمولی باتوں میں الجھ جاتا ہے جو اس قابل ہوتی ہیں کہ ان کو نظر انداز کر دیا جائے۔ ایسا آدمی راستہ کے درمیان میں اٹک کر رہ جائے گا۔ وہ آخری منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔

اس کے برعکس جو آدمی راستہ کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے نہ الجھے، وہ کامیابی کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھتا ہے۔ وہ اپنی دل جمعی کو ہر حال میں باقی رکھتا ہے۔ وہ کسی بھی تلخ تجربہ سے بے حوصلہ نہیں ہوتا۔ ایسے آدمی کے لئے یہی مقدر ہے کہ وہ اپنی منزل پر پہنچ کر رہے۔ وہ پستیوں سے گزر کر آخری بلندی تک پہنچ جائے۔

اس دنیا میں آدمی دل کی طاقت سے جیتتا ہے۔ زندگی کی جدوجہد میں جو آدمی بے دل ہو جائے وہ اپنی ملی ہوئی صلاحیتوں کو بھی کھو دے گا۔ اور جو آدمی ہر حال میں اپنے دل کو بھروسہ رکھے وہ اپنی صلاحیتوں میں مزید اضافہ کر لے گا۔

تمام کامیابیوں کا اصل میدان آدمی کا اپنا دل ہے۔ آپ باہر کی دنیا کو نہ دیکھیں بلکہ اپنے دل کی دنیا کو دیکھیں۔ اپنے اندر ہی آپ وہ سب کچھ پائیں جس کو آپ پانا چاہتے ہیں۔

## کمزور تعمیر

بچوں کا گھر وندا جتنی دیر میں بنتا ہے، اس سے بھی کم مدت میں وہ نہیں بسا جاتا ہے۔ یہ بل مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مضبوط اور مستحکم زندگی کیا ہے۔ اور وہ زندگی کیا ہے جو کمزور بنیادوں پر کھڑی کی گئی ہو۔

بارش اور طوفان میں جب کوئی مکان گر پڑتا ہے تو باہر کا طوفان اس کو نہیں گراتا، مکان کی اپنی کمزوری اس کو گرا دیتی ہے۔ آندھیاں اٹھتی ہیں تو چھپاڑ جاتے ہیں مگر پتھر سے بنے ہوئے قتلے آندھیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جگہ کھڑے رہتے ہیں۔

ہر آدمی اپنے عمل سے اپنی زندگی کی تعمیر کر رہا ہے۔ مگر تعمیر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تعمیر وہ ہے جس کے پیچھے گہری بنیاد نہ ہو، جس کا ڈھانچہ بس اوپر اوپر کھڑا کر دیا گیا ہو۔ ایسی زندگی ہمیشہ حادثات کی زد میں رہتی ہے۔ مخالفت کا معمولی جھونکا بھی اس کو ہلانے کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے زمین پر قرار اور استحکام نہیں۔

دوسری زندگی وہ ہے جو گہری بنیادوں پر تعمیر کی جائے۔ جس کے تمام اجزاء پختہ مادہ سے تیار کئے گئے ہوں۔ ایسی زندگی کو کوئی ہلانہ نہیں سکتا۔ مخالفین کی مخالفتیں اور دشمنوں کی سازشیں صرف اس کی مضبوطی کی تصدیق کرتی ہیں۔

کمزور تعمیر میں وقت بہت کم لگتا ہے، اس لئے اکثر لوگ کمزور تعمیر کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ مگر کمزور تعمیر روز اندگرتی ہے اور روز اندہ بنائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس مستحکم تعمیر کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک بار بنادی جائے تو صدیوں تک اپنی جگہ اٹل ہو کر کھڑی رہتی ہے۔ مستقبل کے لحاظ سے دیکھئے تو سب سے کم وقت مستحکم تعمیر میں لگتا ہے، مگر اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

اگر آپ کو بنانا ہے تو قلعہ بنائیے، بچوں کا گھر وندا بنائیے۔ اس کے بعد آپ کو کسی کے قلعہ کی شکایت نہ ہوگی۔ کیوں کہ اس کے بعد کوئی ظالم آپ کے قلعہ کو توڑنے کی ہمت ہی نہیں کرے گا۔ اور اگر کسی نے توڑنا چاہا تو اس کا اپنا سر تو ضرور ٹوٹ جائے گا، مگر آپ کا قلعہ توڑنے میں وہ کامیاب نہ ہوگا۔

## کل اور آج

ہر آدمی اپنے مجرمتہ کل کو کھو چکا ہے، کامیاب وہ ہے جو اپنے آج کو نہ کھوئے۔ پچھلا دن جا چکا۔ اب تو آپ کے پاس صرف آج ہے۔ پھر آج کو آپ کیوں کھویں۔

اکثر لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ اپنے پچھلے کل کو استعمال نہ کر کے تو اپنے آج کے دن اس کا انسوس لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ کل کی خاطر آج کو بھی کھوتا ہے۔ نلے ہونے کی منکر میں لے ہوئے کو بھی بریاد کر دینا ہے۔ عقل مند آدمی وہ ہے جو اپنے آپ کو اس دہرا نقصان سے بچائے۔

اگر آپ کا پچھلا کل کھویا گیا ہے تو اس کو کھویا ہوا نہ سمجھئے، اس کو توبہ کیلئے کا ذریعہ بنا لیجئے۔ اس طرح آپ کا کھویا ہوا سرمایہ بھی پایا ہوا سرمایہ ہی بن جائے گا۔ ماضی کے تجربہ کے سرمایہ کو اپنی حال کی پونجی میں ملا دیجئے۔ اور پھر آپ دیکھیں گے کہ آپ کی کھوئی ہوئی چیز بھی مزید اضافہ کے ساتھ آپ کو دوبارہ مل گئی ہے۔

پچھلے کل کا غم کرنا گویا اپنی صلاحیت کے ایک حصہ کو ضائع کر دینا ہے۔ آپ ایسی غلطی کیوں کریں۔ آپ نئے دن میں اپنی ادھوری صلاحیت کے ساتھ کیوں داخل ہوں۔ پچھلے کل کے غم سے اپنے دماغ کو خالی کر دیجئے اور اپنی پوری طاقت کو لے کر اپنے نئے دن کے منصوبہ میں لگ جائیے۔ یہی کامیاب زندگی کا صحیح طریقہ ہے۔

آپ خواہ کتنا ہی زیادہ مجرمتہ کل کی نگر کریں، مجرمتہ کل اب دوبارہ آپ کی طرف واپس آنے والا نہیں۔ جانے والی چیز جا چکی، رہنے والی چیز باقی ہے۔ جانے والی چیز کو ہبلا دیجئے اور رہنے والی چیز کو اپنی پوری طاقت کے ساتھ پکڑ لیجئے۔ یہی اس دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کا واحد راز ہے۔ یہاں کامیابی حاصل کرنے کا دوسرا کوئی طریقہ نہیں۔

پچھلے کل کا احساس کرنا بہت ضروری ہے، مگر پچھلے کل پر غم کرنا اتنا ہی بے فائدہ ہے۔ آپ یہ ضرور دیکھئے کہ پچھلے کل کو آپ نے کیا پایا اور کیا کھویا۔ مگر یہ دیکھنا نصیحت کے لئے ہوگا کہ انسوس کرنے کے لئے۔

آج کو استعمال کیجئے۔ کیونکہ گزرا ہوا کل تو اب کبھی واپس آنے والا نہیں۔

## مستقبل کو دیکھو

جب آدمی کا ماضی اور حال لٹ ہو چکا ہو، اس وقت بھی اس کا مستقبل محفوظ رہتا ہے۔ ایک شخص کسی کا ماضی اور حال چھین سکتا ہے، مگر کوئی شخص کسی کا مستقبل چھیننے پر تیار نہیں۔

ماضی کی عرومی واقعہ، موچکی، حال کی عرومی واقعہ ہو رہی ہے، مگر مستقبل وہ زمانہ ہے جو ابھی آنے والا ہے۔ مستقبل میں وہ تمام مواقع مزید اضافہ کے ساتھ موجود ہیں جو ماضی اور حال میں آپ کے لئے ممکن تھے۔ اس لئے اگر آپ نے ماضی اور حال کو کھو دیا ہو تو اس کا غم نہ کیجئے۔ مستقبل کے اعتبار سے ریسروا اپنے عمل کی منصوبہ بندی کیجئے۔ ہو سکتا ہے کہ آئندہ آپ اتنی بڑی کامیابی حاصل کریں جو ماضی اور حال کے تمام نقصانات کی تلافی کر دے۔

زندگی کے رازوں میں سے ایک راز یہ ہے کہ آدمی کے اندر بھلا دینے کی طاقت ہو۔ اگر آپ کا ماضی اور حال برباد ہو گیا ہو تو اس کو بھلا دیجئے۔ پچھلی بربادی کو بھلانا آپ کے اندر یہ لازم پیدا کرے گا کہ آپ اپنی پوری طاقت کو نئے مستقبل کی تعمیر میں لگا دیں۔

زمانہ اگر ٹھہرا ہوا ہو تو آپ کو بھی ٹھہرنا پڑتا۔ اس کے بعد آپ کی عرومی ابدی مسرومی من جاتی۔ مگر زمانہ ٹھہرا ہوا نہیں ہے، زمانہ حرکت میں ہے۔ یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے کہ ایک موقع کے کھوتے ہی دوسرا موقع سامنے آ جاتا ہے۔ ایک امکان کھونے کے بعد آدمی دوسرا امکان پاتا ہے جس کو استعمال کر کے وہ آگے بڑھ جائے۔

موجودہ دنیا میں کوئی آدمی نقصان سے بچ نہیں سکتا۔ یہاں بڑے کو بھی نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور چھوٹے کو بھی۔ یہاں طاقتور بھی نقصان اٹھاتا ہے اور کمزور بھی۔ اس لئے آپ کبھی نقصان پر بد دل نہ ہوں۔ ہر بار گرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کی کوشش کیجئے۔

زمانہ کا سفر ماضی اور حال پر ختم نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ مستقبل کی طرف جاری رہتا ہے۔ ماضی اور حال کا سرا آپ سے چھوٹ گیا ہو تو آپ مستقبل کا سرا پکڑ لیجئے۔ آپ دوبارہ کامیابی منزل پر پہنچ جائیں گے۔



## نیا طلوع

اس دنیا میں کوئی غروبِ آخری نہیں۔ ہر غروب کے بعد ایک نیا طلوع مقدر ہے۔ بشرطیکہ آدمی اپنے شام کو دوبارہ صبح میں تبدیل کرنے کا حوصلہ رکھتا ہو۔ اس دنیا کا سب سے بڑا واقعہ روزِ سورج کا ڈوبنا اور پھر دوبارہ اس کا نکلنا ہے۔ یہ سب سے بڑا واقعہ اس سب سے بڑی حقیقت کا منظر ہے کہ ہر بار کے بعد دوبارہ جیت ہے، اور ہر کھونے کے بعد دوبارہ پانا۔

ہم جس دنیا میں ہیں، اس کا مالک کوئی انسان نہیں ہے، بلکہ خدا ہے جو تمام طاقتوں سے زیادہ طاقت رکھنے والا ہے۔ جس وقت کوئی انسان آپ کو محرومی سے دوچار کرتا ہے۔ یا جس لمحہ حالات کوئی جھوٹا آپ کے چراغ کو بجھا دیتا ہے، عین اس وقت خدا یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ میری دنیا میں یہ محروم ہونے والے کو دوبارہ دیا جاتا ہے، اور ہر کچھ ہوئے چراغ کو از سر نو روشن کیا جاتا ہے اس خدائی امکان کو اپنے حق میں واقعہ بنانے کی شرط صرف ایک ہے۔ وہ یہ کہ آدمی اپنی متاع کو کھونے کے بعد اپنی ہمت کو نہ کھوئے۔ وہ ہر گزرنے کے بعد دوبارہ اٹھے، وہ خسرو کو کے بعد دوبارہ حاصل کرنے کی جدوجہد میں لگ جائے۔

شام کے بعد دوبارہ صبح کو ظہور میں لانے کے لئے کائناتی طاقت درکار ہے۔ پھر جس دنیا میں اتنے بڑے واقعہ کا ظہور ممکن ہو وہاں یہ نسبتاً بہت چھوٹا واقعہ ظہور میں کیوں نہیں آئے گا کہ ایک آدمی یا ایک قوم ایک بار گرنے کے بعد دوبارہ اٹھ جائے۔

خدا نے یہ ہمت درکار دیا ہے کہ کسی کی شکست اس کے لئے آخری شکست نہ بنے۔ اسی حالت میں شکست پر بے ہمت ہونے کا کوئی سوال نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں کسی آدمی کو اپنی دوبارہ فتح پر اتنا ہی یقین ہونا چاہئے جتنا کوئی شخص شام کے بعد دوبارہ صبح کے وقت سورج کے نکلنے کا یقین رکھتا ہے۔

لوگ عام طور پر "جو کچھ ہو چکا ہے" اس کو جانتے ہیں۔ "جو کچھ ہو سکتا ہے" اس کو نہیں جانتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اگر لوگ اس دوسری بات کو جانیں تو وہ کبھی مایوسی نہ ہو کیوں کہ اس دنیا میں مایوسی وقتی ہے اور امید دائمی۔

## حکیمانہ تدبیر

فساد صرف حکیمانہ تدبیروں سے ختم ہوتا ہے نہ کہ فساد ختم کرو کا مطلب الہ کرنے سے۔۔۔ یہ اصول بلاشبہ صدی صدی درست ہے۔ اس کے سوا فساد کے مسئلہ کا کوئی حل نہیں۔

دو انسانی گروہ جب ایک ساتھ رہیں گے تو عین فطریات ان کے تحت ایسا ہونے لگا کہ ان کے درمیان بار بار اختلاف اور نزاع کے مواقع پیش آئیں گے۔ مثلاً ایک کانسرہ دوسرے کو برا لگے گا۔ ایک گروہ دوسرے گروہ کے عبادت خانہ کا وہ احترام نہ کر سکے گا جیسا کہ وہ گروہ کرتا ہے جس کا وہ عبادت خانہ ہے۔

اس طرح کی مختلف صورتیں ہیں جن میں ایک گروہ کو دوسرے گروہ سے شکایت پیدا ہوگی۔ اس شکایت کا حل جو اپنی شکایت نہیں ہے۔ اس کا واحد حل یہ ہے کہ اس کو نظر انداز کیا جائے۔ اختلافی امور میں رواداری اور تحمل کا اصول اختیار کرنا چاہئے نہ کہ نزاع اور جوابی کارروائی کا۔

ہم فطرت سے لڑ نہیں سکتے۔ اور اختلافی بات پیش آنے پر رد عمل کا طریقہ اختیار کرنا گویا فطرت سے لڑنا ہے۔ کیوں کہ اس طرح کے اختلافات عین فطری اسباب کے تحت پیش آتے ہیں۔ ایسی حالت میں فطرت سے مطابقت مسئلہ کا حل ہے، فطرت سے ٹکراؤ کبھی مسئلہ کا حل نہیں بن سکتا۔ ہر مسئلہ کا حل ہے۔ مگر یہ حل صرف حکیمانہ تدبیر میں ہے۔ اگر ہم ایسا کریں کہ مسئلہ پیش آنے کے بعد ہم جھجھلاہٹ کا شکار نہ ہوں، بلکہ ٹھنڈے طریقے سے پوری صورت حال پر غور کریں۔ مسئلہ کو صرف مسئلہ کی حیثیت سے دیکھیں، اس کو سناٹا اور وقار کا معاملہ نہ بنائیں تو یقینی ہے کہ ہم ایسی تدبیر دریافت کریں گے جس کے ذریعہ اس مسئلہ کو آسانی کے ساتھ حل کیا جاسکے۔

جب بھی کوئی مسئلہ پیش آئے تو اپنے آپ کو منفی جذبات کا شکار ہونے سے بچائیے۔ اپنے ذہن کو صرف تدبیر ڈھونڈنے میں لگا دیجئے۔ اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ مسئلہ اس طرح حل کر لیا گیا ہے جیسے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔

## ودیشا کا سفر

۳ جنوری ۱۹۹۳ء کا واقعہ ہے۔ میں دہلی میں اپنے دفتر میں تھا کہ دو اجنبی آدمی اندر داخل ہوئے۔ اس دن سے پہلے میں ان سے بالکل ناواقف تھا۔ وہ بھی اس سے پہلے میرے بارہ میں کچھ نہیں جانتے تھے۔

انہوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ وہ مدھیہ پردیش کے تاریخی شہر ودیشا کے رہنے والے ہیں۔ سوامی ویویکانند کے جنم دن ۱۲ جنوری کو ودیشا میں ایک جلسہ کر رہے ہیں۔ اسی سلسلہ میں وہ دہلی آئے تھے۔ انہوں نے اپنا نام \_\_\_\_\_ ویلکار اور پترو اشیشی (Pitru Ashishi) بتایا۔

ان سے میرے تعارف کا ذریعہ دہلی کے ہندی اخبار جن ستا کا ایک شمارہ تھا۔ انہوں نے بتایا کہ آج کے جن ستا میں ہم نے آپ کا ایک انٹرویو پڑھا۔ اس سے پہلے ہم آپ کے بارہ میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ مگر اس انٹرویو کو پڑھ کر ہمیں یقین ہو گیا کہ اپنے جلسہ کے لئے ہیں جس اسپیکر کی تلاش تھی وہ بس آپ ہی ہیں۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہماری دعوت کو قبول کریں اور ۱۲ جنوری کو ودیشا آکر ہمیں مارگ درس سن کر آئیں۔ آپ ہی اس میں اسپیکر ہوں گے۔

یہ میرے لئے ایک مشکل مسئلہ تھا۔ اس وقت مدھیہ پردیش سے فرقہ وارانہ فساد کی خبری آرہی تھیں۔ مذکورہ حضرات سے براہ راست کوئی واقفیت نہ تھی۔ ودیشا کا بھی میں نے صرف نام سنا تھا۔ تاہم مذکورہ صاحبان کے مخلصانہ اصرار پر میں نے ان کی دعوت منظور کر لی۔ ۱۱ جنوری ۱۹۹۳ء کی شام کو بذریعہ مالوہ اکسپریس دہلی سے ودیشا کے لئے روانگی ہوئی۔ ریلوے اسٹیشن پہنچا تو حسب معمول ان لوگوں کی بھیڑ ادھر سے ادھر دوڑتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ میں نے سوچا کہ آج کا انسان اپنی معاشی دوڑ میں اتنا زیادہ مشغول ہے کہ اس کو کسی اور بات کے بارہ میں غور کرنے کی فرصت نہیں۔ اس پر ٹھہراؤ کا لمحہ صرف اس وقت آتا ہے جب کہ وہ موت سے دوچار ہوتا ہے۔ مگر جب موت کی گھڑی آجائیے تو کہنے کا وقت بھی ختم ہو جاتا ہے اور سننے کا وقت بھی۔

ٹریں میں داخل ہو کر میں اپنی برتھ پر سو گیا۔ قدیم زمانہ میں آدمی کو جاگ کر سفر کرنا پڑتا تھا آج آدمی سوتا ہے اور اسی کے ساتھ اس کا سفر بھی تیز رفتاری کے ساتھ طے ہوتا رہتا ہے۔ جانور اپنے پاؤں سے چلتے ہیں۔ چڑیاں اپنے بازوؤں سے اڑتی ہیں۔ مگر انسان کے ساتھ کرنا بنی آدم کا معاملہ کیا گیا ہے۔ پہلے زمانہ میں انسان جانوروں کی پیٹھ پر سواری کرتا تھا۔ اب وہ مشینی پیہ یا شیننی بازو کے اوپر سفر کرتا ہے۔

۱۲ جنوری کی صبح کونیند کھل تو ویدیش کاریلوے اسٹیشن قریب آچکا تھا۔ پلیٹ فارم پر اترتے ہی کانفرنس کے منتظرین مل گئے۔ ان کے ساتھ روانہ ہو کر شہر آیا۔ یہاں میرا قیام سفر ٹیٹھا کے مکان پر تھا۔

ویدیش ایک نہایت قدیم تاریخی شہر ہے۔ وہ دہلی سے ساڑھے چھ سو کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ویدیش کی قدامت کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قدیم سنسکرت کتابوں، ہما بھارت اور رامائن میں اس کا حوالہ پایا جاتا ہے۔ مور یہ اور گپتا راج کے زمانہ میں وہ ایک زبردست مذہبی، اقتصادی اور سیاسی مرکز تھا۔ ۱۳۳۵ میں وہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد وہ ریاست مدھیہ پردیش کا ایک حصہ ہے۔

ویدیش میں کثرت سے بدھزم کے آثار پائے جاتے ہیں۔ کچھ بدھسٹ اسٹوپا یہاں ایسے ہیں جن کی تاریخ دوسری صدی قبل مسیح تک جاتی ہے۔ ویدیش کے آس پاس کے علاقوں میں بھی دور تک قدیم آثار کھنڈر کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔

ویدیش کے یہ آثار گویا اپنی خاموش زبان میں یہ کہہ رہے ہیں کہ کسی کا حال خواہ کتنا ہی شاندار ہو، اس کا مستقبل بہر حال کھنڈر ہو کر رہتا ہے۔ اس میں استثناء صرف ان لوگوں کا ہے جو فانی چیزوں سے بلند سطح پر اپنے لئے زندگی کا راز دریافت کر لیں۔

رہائش گاہ پر کئی تصیلیم یافتہ ہندو جمع ہو گئے۔ ان سے دیر تک باتیں جوتی رہیں۔ وہ لوگ زیادہ تر اسلام کے بارہ میں سوالات کرتے رہے۔

ایک صاحب نے مشاہدہ بانوبیگم کے معاملہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اسلام میں اگر ایسا حکم ہے تو وہ بڑی نا انصافی کی بات ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی بیوی کو طلاق دے کر اسے گھر

سے نکال دے اور پھر اس کو گزر بسر کے لئے کچھ دینے سے بھی انکار کر دے۔

میں نے کہا کہ اس معاملہ کو اس کے پورے احوال میں رکھ کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ وہ بالکل درست ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ حکم اس سماج کے لئے ہے جہاں اسلام کا قانون نافذ ہو اور اسلام کا نظام قائم ہو۔ ایسے سماج میں حکومتی خزانہ (بیت المال) ہر ضرورت مند بیوہ کا پوری طرح کفیل ہوتا ہے۔ مطلقہ عورت کو سابق شوہر سے گزارہ نہ دلو اور وہ حکومت کے خزانہ سے زیادہ بہتر طور پر اس کا گزارہ دلو اتا ہے۔

سابقہ شوہر سے گزارہ لینا کسی عورت کے لئے باعزت طریقہ نہیں ہو سکتا۔ اسلام جب کسی مطلقہ عورت کو اس کے سابق شوہر سے گزارہ نہیں دلو اتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ عورت کے لئے بے عزت گزارہ کے بجائے باعزت گزارہ کا انتظام کر رہا ہے۔

مگر ۱۹۸۶ میں کچھ مسلمانوں نے شاہ بانو بیگم کے نام پر جو اندون چلایا اس سے مجھے اتفاق نہیں۔ کیوں کہ اس ملک کے قائم شدہ نظام میں سرکاری خزانہ سے گزارہ دلوانے کا انتظام نہیں ہے۔ پھر جب ایک مطلقہ کو حکومت کے خزانہ سے گزارہ دلوانا ہمارے اختیار میں نہیں تو ہم اس کو دوسرے ممکن ذریعے لینے پر روک کیوں لگائیں۔

بھوپال کے ایک مسلمان سے ملاقات ہوئی۔ وہ ارسال سے واقف تھے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کے خلاف یہ کہا جاتا ہے کہ آپ ہمیشہ صلح حدیبیہ کی بات کرتے ہیں۔ اسلام میں تو جنگ بدر اور جنگ احد بھی ہے۔ میں نے کہا کہ عمل ہمیشہ حالات کے مطابق کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ۲۳ سالہ عمر نبوت میں مختلف طریقے اختیار کئے۔ ایسا نہیں ہوا کہ ہر روز آپ لوگوں سے بس جنگ بدر اور جنگ احد لڑ رہے ہوں۔

میں نے کہا کہ کچھ مسلمان بیٹھے ہوئے ہیں۔ اتنے میں جمعہ کی نماز کی اذان بلند ہوتی ہے۔ اس وقت اگر کوئی شخص کہے کہ چلو مسجد، چلو مسجد، تو کیا آپ یہ کہیں گے کہ تم تو بس ہر وقت مسجد اور نماز ہی کی بات کرتے ہو۔ آخر اسلام میں جنگ اور قتال کا حکم بھی تو ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا کہے تو یقیناً آپ اس کو یہ جواب دیں گے کہ اس وقت اسلام کا جو حکم ہمارے اوپر عائد ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ ہم اٹھیں اور وضو کر کے مسجد پہنچیں تاکہ جمعہ کی اجتماعی عبادت ادا کر سکیں۔

اسی طرح آج ملت کے جو حالات ہیں ان میں یہ دیکھنا ہے کہ کون سا حکم ہے جو اس وقت ہم سے مناسبت رکھتا ہے۔ چنانچہ ہندو مسلم معاملہ میں اس وقت اسلام کا جو حکم ہمارے لئے قابل انطباق ہے وہ جنگ نہیں ہے بلکہ وہی ہے جس کو صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے۔ موجودہ حالات میں صلح مطلوب ہے۔ آج جنگ مطلوب نہیں۔

ایک تسلیم یافتہ ہندو سے ملاقات ہوئی "سنگھ پر یوار اور مسلمان کے موضوع پر ان سے گفتگو ہونے لگی۔ انھوں نے کہا کہ ہندو مسلم تعلقات کو نارمل بنانے میں اصل رکاوٹ یہ ہے کہ مسلمان تاریخ کی حقیقتوں کو ماننے کے لئے تیار نہیں:

The stumbling block is the reluctance to accept facts of history.

انھوں نے اس کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بابر نے "الودھیہ اسٹریکچر" بھارت و اسیوں کی تحقیر (humiliation) کے لئے کھڑا کیا۔

میں نے کہا کہ سنگھ پر یوار کے بننے سے کوئی چیز تاریخی حقیقت نہیں ہو جاتی۔ تاریخ کو تاریخ داں طے کرتے ہیں۔ آپ لوگ ایسا کچھ کہ ملک کی مختلف یونیورسٹیوں میں انٹرن ہسٹری کے جو پروفیسر ہیں، ان کا ایک بورڈ بسا دیجئے۔ وہ جو فیصلہ کریں اس کو آپ بھی مان لیں اور مسلمان بھی مان لیں۔ اس پر وہ راضی نہیں ہوئے۔

آدمی دلیل کا نام لیتا ہے۔ مگر دلیل جب اس کو اپنے خلاف جاتی ہوئی نظر آتی ہے تو وہ دلیل کو ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔

دوپہر کا کھانا ایک آشرم میں تھا جو یہاں کے اسپتال سے ملا ہوا ہے۔ اس آشرم کا خرچ زیادہ تر ایک مقامی ہندو تاجر ادا کرتے ہیں۔ آشرم کی مختلف سرگرمیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگ ایک روپیہ کی علامتی قیمت پر ضرورت مندوں کو عمدہ کھانا کھلاتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ آشرم کے ذمہ دار روزانہ صبح کو سڑک پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دیہات کے لوگ جو علاج کی غرض سے اسپتال آتے ہیں یا دوسرے دیہاتی جو کسی ضرورت کے تحت شہر آتے ہیں، ان کو ایک روپیہ لے کر ایک ٹکٹ دیدیتے ہیں، اس کے بعد دوپہر کو مقرر وقت پر وہ آشرم آتے ہیں اور ٹکٹ واپس کر کے

کھانا کھاتے ہیں۔

میں نے ۱۲ جنوری کو دوپہر کا کھانا اسی آشرم میں کھایا۔ میرا خیال ہے کہ یہ کھانا اگر ہوٹل میں کھایا جائے تو اس پر پانچ روپیہ سے بھی زیادہ خرچ آئے گا۔ مگر یہ صاف ستھرا کھانا روزانہ ۲۰۰ آدمیوں کو صرف ایک روپیہ کی برائے نام قیمت پر کھلایا جاتا ہے۔ اور کھانا کھلانے کا کام ملازمین نہیں کرتے۔ بلکہ خود مذکورہ ہندو سیٹھ اور دوسرے حضرات رضا کارانہ طور پر یہ خدمت انجام دیتے ہیں۔

۱۲ جنوری کو سپہر کے وقت مقامی پتہ کاروں سے ملاقات کا پروگرام تھا۔ میں نے صحافی حضرات سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ زمانہ میں اکثر برائیوں کی جڑ ہماری صحافت ہے۔ ہماری صحافت میں سب سے زیادہ اہمیت گرم گرم خبر (hot news) کو دی جاتی ہے۔ مثلاً اگر میں خدا نخواستہ ودیشا کے کسی پولیس افسر پر ہماروں تو آپ حضرات فوراً اس کو پورٹ کریں گے۔ مگر آج میں نے یہاں ایک آشرم دیکھا جو ۲۰ سال سے اسی طرح چل رہا ہے۔ اور اب تک اس کی خبر ہمارے اخبارات میں نہ آسکی۔ کیوں کہ آپ لوگوں کی اصطلاح میں وہ کوئی "گرم خبر" نہیں ہے۔

میں نے کہا کہ اچھی خبروں کو نہ چھاپنا اور برسی خبروں کو چھاپنا، اسی کا نام زرد صحافت ہے۔ ہمارے تمام اخبارات کم و بیش اسی زرد صحافت کا نمونہ ہیں۔ اور جس ملک کی صحافت زرد صحافت ہو جائے، اس کا سماج بھی آخر کار زرد سماج بن کر رہ جائے گا۔

اس کے بعد اجمودھیا کے واقعہ پر اور ملک کے مستقبل کے بارہ میں مختلف سوالات ہوئے جن کا میں نے اپنے انداز میں جواب دیا۔

۱۲ مارچ کو نواز شہزاد کے بعد جلسہ کا انتظام تھا۔ وہاں پہنچا تو ایک وسیع شامیانہ میں تعلیم یافتہ ہندوؤں کی بڑی تعداد بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک ہندو نے بھائی نے میرے کان میں کہا: "یہ سب لوگ آپ ہی کو سننے کے لئے آئے ہیں۔"

میں سخت الجھن میں تھا۔ آخر وقت بھی میرا ذہن یہ طے نہیں کر پایا تھا کہ آج مجھے کیا کہنا ہے۔ اسی ذہنی پریشانی کے ساتھ میں پنچ پر بیٹھا تھا کہ اعلان ہو گیا کہ "اب مولانا صاحب آپ کو مارگ درشن کرائیں گے؟"

میں اس حال میں ممالک کے سامنے آیا کہ احساس عجز کے تحت میری آنکھوں میں آنسو آگئے

تھے۔ میں نے خاموش الفاظ میں دعا کی کہ خدایا: یہ تیری پیدا کی ہوئی رومیوں میں جو سچائی کی بات سننے کے لئے یہاں اکٹھا ہوئی ہیں۔ مگر مجھے نہیں معلوم کہ میں ان سے کیا کہوں۔ خدایا، آج تو ہی میرے لئے پہلے بیک اسپیکر بن جا۔ تاکہ میں وہ بات کہ سکوں جو تیری پسند کے مطابق ہو۔

اس کے بعد میں نے تقریر شروع کی اور دیوانگی کے عالم میں تقریباً ایک گھنٹہ تک بولتا رہا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے اپنی تقریر میں کیا کہا۔ مگر بعد کو بمبئی کے مسٹر مدھو ہتھانے بہت آیا کہ آپ کی تقریر کے دوران لوگ اس قدر محو تھے کہ کروڑ بھی نہیں بدل رہے تھے۔ اکثر لوگوں کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ حتیٰ کہ عورتوں کو بھی میں نے دیکھا کہ وہ رورہی تھیں۔

یہاں کے ہندوؤں میں سوامی دیویکانند کو ماننے والے بہت سے لوگ ہیں۔ ایک مجلس میں میں نے کہا کہ سوامی دیویکانند امریکہ گئے۔ وہاں ۱۸۹۳ء میں انھوں نے شیکاگو کی عالمی مذاہب کانفرنس (World's Parliament of Religions) میں ہندو ازم پر تقریر کی۔ شیکاگو کے اسٹیج پر

سوامی دیویکانند کے اس ظہور کو سنسنی خیز ظہور (sensational appearance) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (15/623)

وہاں کے تمام مقرر مغربی قاعدہ کے مطابق، لیڈیز اینڈ مینڈ جنٹلمین کے الفاظ سے اپنی تقریر شروع کر رہے تھے۔ سوامی دیویکانند جب کھڑے ہوئے تو ہندستانی روایت کے مطابق، ان کی زبان سے نکلا کہ امریکہ کے بہنو اور بھائیو (sisters and brothers of America) یہ الفاظ لوگوں کی فطرت کے اتنے زیادہ مطابق تھے کہ بال میں دیر تک تالیاں بکتی رہیں۔ اس کانفرنس میں سوامی جی کی تقریر سب سے زیادہ پسند کی گئی۔

میں نے کہا کہ سو سال پہلے باہر کے دیشوں کے لوگ انڈیا کے لئے بہن اور بھائی کی حیثیت رکھتے تھے۔ آج یہ حال ہے کہ خود دیش کے لوگ بھی اب بہن اور بھائی نہیں سمجھے جا رہے ہیں۔ اس ذہن کو ہمیں بدلنا ہوگا ورنہ دیش تباہ ہو جائے گا۔

ودیشا کے سفر کا شاید سب سے اہم واقعہ مسٹر مدھو ہتھانے سے ملاقات ہے۔ اس سے پہلے ہم دونوں ایک دوسرے سے بالکل ناواقف تھے۔ ودیشا میں پہلی بار ان سے میری ملاقات ہوئی۔ موجودہ ملکی حالات پر باتیں ہوئیں۔ جلسہ میں انھوں نے میری تقریر سنی۔ اس کے بعد انھوں نے کہا کہ



مجھے ایک "مسلم مولانا" کی تلاش تھی۔ کیوں کہ اجمودھیا کے بعد ملک میں جو سنگین مسئلہ پیدا ہوا ہے، اس کو ایک مسلمان عالم ہی حل کر سکتا ہے۔ میرا یقین ہے کہ میں نے آپ کی ذات میں اس مسلمان عالم کو پایا ہے۔

مسٹر دھوہتا بیٹی کے ممتاز افراد میں سے ہیں۔ ان کے تعلقات اعلیٰ سطح کے بندوؤں سے ہیں۔ وہ ہندوستانی اندولن کے چیئرمین ہیں۔ انھوں نے کہا کہ آپ بھی آئیے۔ وہاں آپ اپنا "اصلاحی پروگرام" پیش کیجئے۔ اس سلسلہ میں میں آپ کو ہر طرح کی سپورٹ دلاؤں گا۔ چنانچہ اس کے بعد انھیں کے زیر اہتمام بجٹی کے لئے میرا کئی سفر ہوا۔ ہر سفر خدا کے فضل سے غیر معمولی طور پر کامیاب رہا۔ ۱۳ مارچ ۱۹۹۳ کو میں بذریعہ ٹرین دہلی واپس آیا۔ ٹرین اس نئے دور کی ایک علامت ہے جب کہ انسانی تمدن کو حرکت دینے کے لئے مشینی پیہہ حاصل ہو گیا۔ کیونکہ کیشن کے اس انقلاب میں ٹرین اب بہت پیچھے کی چیز ہو چکی ہے۔ تاہم آج بھی اس زمین پر ایسے لوگ موجود ہیں جو اگرچہ بظاہر ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہوں، مگر اپنی سوچ کے اعتبار سے وہ ٹرین سے بھی پیچھے کے دور میں جی رہے ہیں۔ جسم کے اعتبار سے وہ بیسویں صدی کے مسافر ہیں مگر اپنے شعور کے اعتبار سے صرف پچھلی صدی کے مسافر۔

### روسی زبان میں اسلامی لٹریچر

ایک روسی مسلمان ڈاکٹر ایو جین بی۔ ٹرافونوف نے اسلامی مرکز کی ایک کتاب "سپاراسٹہ (The Way to Find God)" کا روسی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اپنے خط میں انھوں نے لکھا ہے کہ روس میں اسلام کے تعارفی لٹریچر کی شدید ضرورت ہے۔ مالی وسائل کی کمی اور دوسری دقتوں کے باوجود وہ یہ عزم رکھتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں اسلامی مرکز کی اہم مطبوعات کے روسی ترجمے چھاپ کر شائع کریں۔ جو حضرات اس سلسلہ مالی تعاون دینا چاہتے ہوں تو براہ راست حسب ذیل پتہ پر رابطہ قائم کریں :

Dr Eugene B. Tryphonov, M.D.  
Ul. Kompozitorov, 29/1, apt 379,  
Saint Petersburg 194358  
Russia

## سفر بندرا بن

کچھ تسلیم یافتہ ہندو صاحبان نے بندرا بن میں ایک چار روزہ سواد پر یاس کا انتظام کیا تھا جس کی دعوت پر بندرا بن اور متھرا کا سفر ہوا۔ اس سفر کی مقررہ داد حسب ذیل ہے۔

۱۴ جنوری ۱۹۹۳ کی صبح کو ہم لوگ بندر بھکار دہلی سے بندرا بن کے لٹو اڑے ہوئے۔ ہمارے ہاتھ میں چار آدمی تھے۔ ڈاکٹر راجنکار بھائی، ڈاکٹر ہمیش شرما، ڈاکٹر سریندر شرما، اور راتم اہوڑ۔ پگازری ڈاکٹر بھائی پر و فیس جو اہر لال نہرو یونیورسٹی، کی تھی اور وہ خود ہی اس کو چھپا رہے تھے۔

راستہ میں مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔ قافلہ کے دو آدمی جے پرکاش نرائن (۱۹۶۹-۱۹۰۲) کے ساتھیوں میں سے تھے، چنانچہ زیادہ تر گفتگو کا موضوع جے پرکاش نرائن کی ذات اور ان کا شن رہا۔

میں نے کہا کہ جے پرکاش کو تھنکر کہا جاتا ہے۔ مگر ان کو تھنکر کہنا بہت مشکل ہے۔ میں کبھی ان سے ملا نہیں۔ مگر ان کی زندگی کے حالات بتاتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی میں بار بار اپنا نظریہ بدلتے رہے اور آخر وقت میں فکری بے اطمینانی کی حالت میں ان کا انتقال ہوا۔ ایسے آدمی کو سیکر (seeker) کہنا چاہئے نہ کہ تھنکر۔

میں نے کہا کہ ۱۹۷۷ کے الکشن میں جے پرکاش نرائن نے ٹوٹل ریویوشن (پورن کرائٹی کانفرہ) لیا۔ انہوں نے اپنی تقریروں میں یہ تاثر دیا کہ کانگریس پارٹی کو الکشن میں ہرانا ہی دیش میں پورن کرائٹی لے آنا ہے۔ مگر واقعات نے ثابت کیا کہ یہ محض ان کی سادگی یا خوش فہمی تھی۔ الکشن میں کانگریس مکمل طور پر ہار گئی، اس کے باوجود مکمل انقلاب نہ آسکا۔ الکشن کی ارجحیت سے کسی ملک میں مکمل انقلاب نہیں آیا کرتا۔ اگر جے پرکاش نرائن تھنکر ہوتے تو وہ پیشگی طور پر اس کو جان لیتے، مگر وہ اس کو نہ جان سکے۔

ایک صاحب نے جواب میں کہا کہ جے پرکاش نرائن بنیادی طور پر ایک شریف اور دیانتدار آدمی تھے۔ وہ فوری تاثر کے تحت ایک واسطے قائم کرتے اور پھر کچھ دن بعد نئی راستے بنا لیتے تھے۔ یہ سب کچھ انسانی ہمدردی کے تحت ہوتا تھا۔ میں نے کہا کہ اگر اس کو مان لیا جائے تو

جے پر کاش نرائن ایک شریف انسان تھے نہ کہ مفکران ان۔

بندرا بن پنچ کر ہم گیت آشرم گئے۔ یہیں پر قیام اور اجلاس دونوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ آشرم میں داخل ہونے تو پتہ چلا کہ اجلاس جاری ہے۔ چنانچہ ہم لوگ سیدھے آشرم کے ہال میں پہنچے اور اجلاس میں شریک ہو گئے۔ اس ہال تک پہنچنے کے لئے جامع مسجد دہلی کی طرح اونچی سنگ مرمر کی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔

اس آشرم میں ایک ہاسٹل ہے جس میں سنسکرت کے طلبہ کے لئے قیام کا انتظام ہے۔ یہ طلبہ شہر کے سنسکرت کالج میں پڑھتے ہیں اور ان کے لئے قیام و طعام کا انتظام آشرم کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ یہ برہمن خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ تقریباً ۲۰ کی تعداد میں تھے۔

میں نے دیکھا کہ یہ نوجوان طلبہ ہر روز صبح سویرے ایک بڑے کمرے میں جمع ہوتے ہیں اور گیت کا پاٹھ کرتے ہیں۔ یہ بالکل ویسا ہی تھا جیسے ہمارے یہاں تجوید کے مدارس میں ہوتا ہے۔ ایک پنڈت سامنے بیٹھ کر گیتا کے سنسکرت اشلوک اصول قرأت کے مطابق پڑھتا اور بقیہ تمام طلبہ اس کو دہرتے تھے۔ اس عمل کے خاتمہ پر سب مل کر ایک ہندی نظم پڑھتے تھے۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں۔

پاٹھ گیتا کا سدا کرنا بڑا ست دھرم ہے  
پاٹھ گیتا کا سدا کرنا ہی مانو دھرم ہے  
گیان گیتا کا سدا ہر دے میں دھرنا چاہئے  
نش کو ہر روز گیتا پاٹھ کرنا چاہئے

میں نے پنڈت جی سے پوچھا کہ پورے دیش میں گیتا کے کتنے لاکھ حافظ ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ لاکھ تو نہیں، شاید کچھ ہزار ہوں۔ میں نے دوبارہ پوچھا کہ آپ کو تو پوری گیت یاد ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ ہاں، کچھ کچھ۔ وہاں ۲۰ طالب علم تھے۔ سب کے سب معمولی گھروں کے دکھائی دئے۔ تاہم آشرم کی عمارت کافی شاندار اور وسیع تھی۔

یہاں اگرہ کا ہندی اخبار دینک جاگرن (۱۵ جنوری ۱۹۹۳) دیکھا۔ اس کے پہلے صفحہ کی کچھ

سرخیاں یہ تھیں:

بھینٹی میں دنگا یوں نے ۸ لوگوں کو زندہ سچو نکا

احمد آباد میں چھرے بازی کی چٹ پٹ وار داتیں۔

مسجد ڈھانا بھاجپا کی سوچی سمجھی سازشیں (ارجن سنگھ)

مسلم دھارمک نیتاؤں کا اندولن اور تیز  
اجودھیا کی طرح ہی ہم دلی کی جامع مسجد پر قبضہ کریں گے  
۱۵ اگست کو ہمیں سیاسی آزادی ملی ۶ دسمبر کو ہمیں مذہبی آزادی ملی۔

بعض سرخیوں کو اشتعال انگیز سمجھ کر کوئی مسلمان غصہ ہو سکتا ہے۔ مگر میں نے ان سرخیوں کو پڑھ کر سوچا  
کہ اردو آج بھی ہندی لپی کے روپ میں زندہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کم از کم بول چال کی زبان  
آج بھی اس ملک میں اردو ہے۔ یہ بہت زیادہ قابل شکر بات ہے۔ کیوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ  
ہمارے اور برادران وطن کے درمیان آج بھی لسانی بعد (Language gap) نہیں پیدا ہوا۔

۱۵ جنوری کو میں دوپہر کا کھانا کھا کر اٹھا۔ باہر برآمدہ میں گیتا آشرم کے دو طالب علم کمرے  
ہوئے لوگوں کا ہاتھ دھلا رہے تھے۔ ایک طالب علم تولیہ لے ہوئے کھڑا تھا اور دوسرا طالب علم  
مگ کے ذریعہ پانی ڈال رہا تھا۔ میں وہاں پہنچا تو سینار میں شرکت کرنے والے ایک صاحب جو سوٹ  
بوٹ میں تھے، وہ ان طالب علموں سے بات کر رہے تھے۔ میں آگے بڑھ کر ہاتھ دھونے لگا۔ اس دوران  
گفت گوئی آواز کان میں آئی۔

مذکورہ صاحب نے طالب علموں سے پوچھا کہ تم لوگ یہاں کیسا پڑھتے ہو۔ اس نے جواب  
دیا کہ ہم سنسکرت پڑھتے ہیں۔ موصوف نے لاہروائی کے انداز میں کہا: سنسکرت پڑھنے سے کچھ نہیں  
بنے گا۔ سائنس پڑھو، کچھ اور پڑھو۔ جیون بر باد مت کرو۔

یہ ریمارک دینے والے صاحب ایک مسلم نوجوان تھے۔ اس کے بعد اسی دن شام کو ان  
طالب علموں کے استاد نے اپنے کمرے میں ہم چند لوگوں کو چائے پر بلایا۔ یہ نہایت صاف ستھرا  
دو کمروں کا ایک سیٹ تھا جس میں ٹیلی فون اور دوسری چیزیں موجود تھیں۔ میں نے سوچا کہ لوگوں کو  
معلوم نہیں کہ آج کے ایک "پنڈت" کے لئے کیا مواقع کھل چکے ہیں۔ وہ پرانے زمانے کے روایتی پنڈت  
پر آج کے زمانے کے جدید پنڈت کو قیاس کر رہے ہیں۔

۱۵ جنوری کی صبح کو اچانک شور و غل سنائی دیا۔ میں اپنے کمرے سے باہر نکلا تو آشرم  
کے نوجوان طلبہ اپنے ہاتھوں میں ڈنڈے لے دوڑ رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ آشرم میں کچھ بند رگس  
آئے ہیں، ان کو بھگایا جا رہا ہے، کیوں کہ وہ جب آتے ہیں تو کچھ نہ کچھ نقصان کرتے ہیں۔

میں نے سوچا کہ بندران لوگوں کے نزدیک ایک مقدس جانور ہے۔ مگر جب یہ مقدس جانوران کے انٹرسٹ کے لئے خطرہ بن جائے تو وہ اس کو مارنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ جب خود اپنے عقیدہ کے مطابق ایک مقدس حیوان کے ساتھ ان کا یہ سلوک ہے تو عام انسانوں کے ساتھ ان کا سلوک کیوں کر مختلف ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں ہر شخص کا یہی معاملہ ہے۔ وہ کسی کو صرف اس وقت تک قابل احترام سمجھتا ہے جب تک وہ اس کے لئے بے ضرر حیثیت رکھتا ہو۔ جیسے ہی وہ ضرر رساں دکھائی دے، آدمی اس کا مخالف بن جائے گا۔ اب اس کے پاس ایسے آدمی کے لئے ڈنڈا ہو گا نہ کہ پھول۔

سینار کے شرکا کے لئے قیام کا انتظام گیت آشرم میں کیا گیا تھا۔ ایک کمرہ میں دو آدمی کو ٹھہرایا گیا تھا۔ میرے ساتھ آریس ایس کے ایک خاص رکن تھے۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اور آریس ایس کے انٹلکچوئل میں شمار کئے جاتے تھے۔ کمرہ میں ایک ڈبل بیڈ تھا۔ اس پر ہم دونوں ایک ساتھ سوتے تھے۔

وہ صبح کو فجر سے پہلے اٹھ جاتے تھے۔ میں بھی اسی وقت اٹھتا تھا۔ ایک روز جب وہ سو کر اٹھے تو بستر پر بیٹھے بیٹھے میں نے ان سے ایک سوال کیا۔ میں نے کہا کہ یہ بتائیے کہ آپ لوگ مسلمانوں سے کیا چاہتے ہیں۔ مسلمان کیا کریں کہ آپ لوگوں کی شکایت ان سے ختم ہو جائے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ مسلمان اس ملک میں ایک طرفہ طور پر ہندوؤں سے ایڈجسٹ کر کے رہیں۔

انہوں نے فوراً کہا: "نہیں مولانا صاحب، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ مسلمان برابر کے ناگر بن کر رہیں۔ مسلمان بھائیوں سے ہم صرف ایک بات چاہتے ہیں۔ یہ کہ وہ اس دیش کو اپنا دیش سمجھیں۔ یہ ایک ایسے شخص کے الفاظ تھے جو آریس ایس میں عہدیدار کی حیثیت رکھتا ہے۔

"بندرا بن" کو آپ پرانی کتابوں میں پڑھیں تو وہ ایک افسانوی مقام معلوم ہو گا مگر ۱۴ جنوری ۱۹۹۳ کو۔ انجے جب میں بندرا بن کے اندر داخل ہوا تو وہ ایک عام قصبہ کی مانند تھا۔

آج وہاں ایسی چیزوں میں سے کوئی چیز نہیں جو تدمیم کتابوں میں لکھی ہوئی ملتی ہیں۔

یہاں "سنوڈ پر یاس" گیتا آشرم میں رکھا گیا تھا۔ گیتا آشرم کافی بڑا ہے۔ پہلے وہ تدمیم

فرز کا ایک مندر ہوگا مگر اب یہاں خالص جدید طرز کی ایک شاندار عمارت بنائی گئی ہے۔ وہاں گیتا کی تسلیم کا اظہار ہے۔ اور اسی کے ساتھ کئی ہال ہیں۔ ایک ہال میں ہمارے کانفرنس کی کارروائی ہوئی۔

اس مضمون میں وہاں کی تمام کارروائیوں کا ذکر نہیں کیا جاسکتا۔ کچھ باتوں کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔ موجودہ ملکی حالات پر یہ سمینار چار دن تک جاری رہا۔ ہر ایک نے آزادانہ طور پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ایک روز میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہندو راشٹر عام حالات میں ہندستان میں قائم نہیں ہو سکتا۔ آریس ایس یا بھارتیہ جنتا پارٹی کے لوگوں کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ محض اپنی طاقت سے اس ملک میں ہندو راشٹر قائم کر دیں۔

ہندستان میں ہندو راشٹر کا قیام تمام تر مسلمانوں کے رویہ پر منحصر ہے۔ اگر مسلمان خاموشی کا رویہ اختیار کر لیں۔ وہ بھارتیہ جنتا پارٹی یا آریس ایس کی مخالفت نہ کر میں تو ہندو راشٹر کے قیام کی تحریک کی ناکامی یقینی ہے۔ ہندو راشٹر صرف اس وقت قائم ہو سکتے گا جب کہ اس کے علمبرداروں کو یہ خوش قسمتی حاصل ہو جائے کہ مسلمان اپنے نادان لیڈروں کی غلط رہنمائی میں پڑ کر اس لئے خلاف دھوم مچانا شروع کر دیں۔

بند رابن کے اس سمینار میں مجھے اس حقیقت کا علم ہوا کہ ہندوؤں میں بھی ایک اعتبار سے وہی صورت حال ہے جو مسلمانوں کے درمیان پائی جاتی ہے۔ مسلمانوں میں آج جو لوگ مختلف سرکاری یا غیر سرکاری اداروں میں کام کر رہے ہیں، ان کی اکثریت "انقلابی اسلام" سے متاثر نظر آتی ہے۔ اس کا سبب بہت زیادہ نظر یاتی نہیں۔ اس کی سادہ سی وجہ یہ ہے کہ اسکول یا کالج کی تعلیم کے زمانہ میں ان لوگوں نے ان اسلامی مفکروں کی پرچوش کرتے پڑھے جن میں اسلام کو انقلابی انداز میں پیش کیا گیا تھا۔ پہلے کی اس عمر میں انہیں اسلام کی یہ تشریح اچھی لگی۔ اس کا اثر آج تک باقی ہے۔ علماء ان میں سے ہر ایک کا مذہب مادی انٹریسٹ ہے۔ مگر ٹیبل ٹاک کے لئے وہ اپنے سابقہ تاثر کے تحت دستور اسلام کی انقلابی تشریح کو اختیار کرنے ہوئے ہے۔

یہی معاملہ ہندوؤں کا ہے۔ آریس ایس اور اس طرح کی دوسری تحریکوں نے "ہندووائٹیا" نامی رومانی تصور دیا وہ بہت سے ہندو نوجوانوں کو پسند آ گیا۔ بعد کو اگرچہ وہ عام لوگوں کی طرح

دنیا کے کمانے میں مشغول ہو گئے۔ تاہم ایک دل پسند تاثر کے طور پر ہندو احمیہ کا آئیڈیالوجی ان کے ذہن میں موجود رہا جو لکھنے اور لہنے کی سطح پر حسب موقع ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ بس اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ انہیں میں سے ایک مسٹر ارن شوری ہیں۔

اس سینار کے شرکار میں اگرچہ اکثریت آریس ایس کے ذہن کے لوگوں کی تھی۔ تاہم یہاں منسکری غلبہ کا کوئی ماحول نہیں تھا۔ ہر ایک کو آزادی تھی کہ وہ کھلے طور پر اپنے خیالات کا اظہار کرے، مقررین کی کچھ باتیں یہاں مختصر طور پر نقل کی جاتی ہیں۔

سوامی اگنی دیش نے کہا کہ مجھے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ لوگوں میں (fixed notions)

بنے ہوئے ہیں۔ لوگ پہلے ہی سے یہ ماننے ہوئے رہتے ہیں کہ مسلمان بے تواریا ہو گا اور ہندو بے تواریا ہو گا۔ ہمیں سوچنے کا یہ طریقہ بدلتا ہو گا۔ وردنیشن بلڈنگ کا کام نہیں ہو سکتا۔ ایک صاحب نے کہا کہ دیش کے حالات اگرچہ بہت خراب ہیں۔ مگر حالات کا کچھ بازینٹو پہلو بھی ہے۔ مثلاً باری مسجد کو ڈھایا گیا تو میں دیکھتا ہوں کہ اس کی چنتا جتنی مسلمان کو ہے اس سے زیادہ چنتا ہندوؤں کو ہے۔

ایک صاحب نے کہا کہ آج یہ حالت ہے کہ دیش کا ایجنڈا پولیٹیکل لوگ طے کرتے ہیں۔ یہ ایک درجہ گاہ کی بات ہے۔ دیش کو کچھ لوگوں کے پولیٹیکل انٹرسٹ پر بھینٹ نہیں کیا جاسکتا۔ ایک صاحب نے کہا کہ دیش کو اٹلے راستہ پر لے جایا جا رہا ہے۔ نان اشو کو اشوینا یا جارہا ہے۔ اس کے خلاف ہمیں اٹھنا ہو گا ورنہ دیش تباہ ہو جائے گا۔

ایک ہندو نوجوان نے کہا کہ مسلمان آج بھی پاکستان کی طرف اپنا دھیان لگائے ہوئے ہیں۔ اسی لئے جب کرکٹ میں پاکستان کے کھلاڑی جیتتے ہیں تو وہ یہاں خوشی مناتے ہیں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے راج موہن گاندھی نے کہا کہ ان چیزوں کو آپ اتنی زیادہ اہمیت کیوں دیتے ہیں۔ یہ توخو آپ کی ذہنی ناپختگی کا ثبوت ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں لندن میں ہائی کمشنر تھا۔ وہاں میں نے دیکھا ہے کہ پیم میں اگر ہندوستانی کھلاڑی اچھا گیند مارتا تو وہاں کے ہندوستانی تالیباں بجاتے اور اگر پاکستانی کھلاڑی اچھا کھیل دکھاتا تو پاکستانی لوگ تالیباں بجاتے اور انگریز جو وہاں ہوتے وہ کسی شخص نہ ہوتے بلکہ دونوں پر سکا دیتے۔ یہی آپ کو بھی کرنا چاہئے۔

ڈاکٹر ہمیش ثرمانے کہا کہ آج کی سمیایہ ہے کہ لوگوں کے اندر ایک دوسرے کا احتسرام نہیں۔ دوسروں میں بھی وہی ہے جو مجھ میں ہے، یہ دیکھنے کی طاقت لوگوں میں نہیں۔ تمام سمجھدار لوگوں کا کہنا ہے کہ دشمن اگر کوئی ہے تو وہ تمہارے اندر ہی ہے۔ پر اب ہم نے دشمن بدل لئے ہیں۔ اب ہم یہ سمجھنے لگے ہیں کہ دشمن ہمارے اندر نہیں ہے، باہر ہے۔ بھاجپا کا دشمن کانگریس، کانگریس کا دشمن بھاجپا۔ یہ سوچ بدلنا ہوگا۔ اپنے ہارے میں کڑوی بات سننے کی استعداد ہونی چاہئے۔

ایک صاحب نے کہا کہ اس وقت بھارت میں ٹھنکی ہوئی حالت ہے۔ ہم ۸۵ کروڑ لوگ آج ٹھنکے ہوئے ہیں۔ لوگوں کو نہیں معلوم کہ کدھر جائیں۔

ایک صاحب نے کہا کہ دھرم کو آدھا رہنا کر ہندو نے پہلے کام نہیں کیا۔ آج وہ دوسروں کی دیکھا دیکھی کر رہا ہے۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اٹل بہاری باجپئی نے پیدائشی دیتے ہوئے کہا ہے کہ رام کا مندر بنانے میں بھارت کا مندر نہ ٹوٹ جائے۔

ایک ہندو ڈبلی گیٹ نے ۱۳ جنوری کی میننگ میں کہا کہ کیلاش پر بت اور مان سرور جمیل ہندوؤں کی زبردستوں میں بہت اہم مقدس مقام (Most important holy site) مانا جاتا ہے۔ ہندو تو اس کو بھگوان شیو کا سوگ ماتھے ہیں۔ ہماری اتنی مقدس جگہ پر ۱۹۶۲ میں چین نے حملہ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ لیکن آریس ایس یا بھاجپا یا ہندو پریشد کے لوگ اس کے خلاف کوئی اندون نہیں چلاتے۔ اور ایو دھیا کے اوپر اتنی دھوم مچاتے ہیں۔ آخر یہ تباہ کیوں۔

ایک صاحب نے کہا کہ رام منو ہر لوہیا کہا کرتے تھے کہ دیش کو گرماؤ۔ چنانچہ ہم نے دیش کو گر لیا۔ مگر نتیجہ دیکھنے کے بعد اب سمجھ میں آتا ہے کہ لوہیا کا نعرہ ٹھیک نہیں تھا۔ زیادہ ٹھیک نعرہ یہ ہے کہ — دیش کو ٹھنڈا کرو۔

ایک صاحب نے کہا کہ ہمیں کسی بھی حال میں گھنڈ نہیں کرنا چاہئے۔ ایک وقت تھا کہ کیونزم کو ساری دنیا میں (unassailable ideology) سمجھا جاتا تھا۔ مگر آج اس کے برعکس سمجھا جا رہا ہے۔

ایک صاحب گاندھیائی علوم کے ماہر تھے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں بتایا کہ ہاتھ گاندھی نے ایک بار اپنے اخبار میں لکھا تھا کہ ہندو مسلم ایکٹا دیش کی ترقی کے لئے اتنا زیادہ ضروری



ہے کہ اس کے بغیر میں بھی دلچسپی کو ترقی کی طرف نہیں لے جاسکتا۔

ایک صاحب نے کہا کہ ہندو مذہب کا بنیادی عقیدہ سرو دھرم سمبھاوا ہے۔ یعنی ہر مذہب کا احترام (respect to all religions) مگر آج جو لوگ ہندو کا زکے لے اٹھے ہیں وہ اس بنیادی بات کو بھولتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

اس قسم کی باتوں کو سن کر میرا احساس یہ ہے کہ ہندو ضمیر تڑپ اٹھا ہے۔ اس لئے کہ یک روزوں سال سے ہندوؤں کو بتایا جا رہا تھا کہ سچائی ہر جگہ ہے۔ جس طرح مندر مقدس ہے اسی طرح مسجد اور گرجا بھی مقدس ہے۔ اس پر افسانہ یزکے تاریخ پر افسانہ (myth) کو تزیح دی جا رہی ہے۔ اخلاق اور قانون کو توڑا جا رہا ہے، انسانیت کو بلڈوز کیا جا رہا ہے۔ اس انجام کو دیکھ کر سنگھ پر یوار کے خیر خواہ بھی اس کی طرف سے متوحش ہو رہے ہیں۔

ایک دست دانشتور ناگپور سے آئے تھے۔ انھوں نے کافی جا رہا نہ انداز میں تقریر کی۔ انھوں نے اپنی انگریزی تقریر میں کہا کہ آپ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تاریخ کی غلطیوں کو درست کریں گے۔ تو تاریخ کی غلطیاں تو اجدو دھیہ کے علاوہ اور بھی ہیں۔ مسلمانوں سے پہلے برہمنوں نے بودھ مندروں کو توڑا اور ان کی جگہ پر ہندو مندر بنا دیا۔ پھر آپ ان تاریخی غلطیوں کی اصلاح کیوں نہیں کرتے۔ انھوں نے کہا کہ ہر بیجنوں پر ماضی میں بہت زیادہ ظلم کئے گئے۔ ہم ان کے بارہ میں بولتے ہیں تو آپ کہتے ہیں کہ پچھلی باتوں کو بھول جاؤ۔ پھر آپ بھی اسی طرح اجدو دھیہ اور کاشی اور مٹھرا کی بات کو کیوں نہیں بھول جاتے۔ خود تو آپ یاد رکھنا چاہتے ہیں اور دوسروں سے کہتے ہیں کہ بھلا دو۔ ایک صاحب نے کہا کہ ملک اور گاندھی کا جھگڑا برہمن اور ابرہمن کا جھگڑا تھا۔ گویا کہ وہ جاتی وادی کا جھگڑا تھا۔ وہ کوئی نظریاتی جھگڑا نہ تھا۔ یہی آج بھی ہو رہا ہے۔

ایک صاحب نے بتایا کہ میں اسکول کی تعلیم کے زمانہ میں آر ایس ایس سے قریب ہو گیا تھا۔ لیکن تب اور اب میں بہت اتر رہے۔ کل کی آر ایس ایس اور آج کی آر ایس ایس میں بڑا فرق آگیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ گاندھی کا نام سبھی لوگ لیتے ہیں۔ مگر ہم لوگ گاندھی کو صرف آدھا مانتے ہیں۔ آج خطرہ میں ڈیکوریسی نہیں ہے۔ آج خطرہ میں دبش نہیں ہے۔ آج خطرہ میں ہندو نہیں ہے۔ آج خطرہ میں اگر کوئی چیز ہے تو وہ دراصل وہ لڑائی ہے جس کو ہم اتنا گاندھی نے ۱۹۴۷ء تک پہنچایا

تھا۔ مگر اس کے آگے ہم اس کو جاری نہ رکھ سکے۔

رام پھسا در رائے نے کہا کہ ۶ دسمبر ۱۹۹۲ نے اگلے دس سال تک کا ایجنڈا طے کر دیا ہے۔ ۶ دسمبر کی گھنٹا نے طے کر دیا ہے کہ اگلے دس سال تک دیش کی پالیٹکس ہندو تو کے ارد گرد گھومے گی۔ ان کی تقریر ختم ہوئی تو دوسرے ہندو مقرر نے کہا: یہ دیش کے لئے بہت درگھنٹا کی بات ہوگی کہ دیش کا دس سال کا ایجنڈا صرف کوئی ایک دن طے کرے۔ میرا دل ایسی بات ماننے کے لئے تیار نہیں۔

ڈاکٹر راجکار بھائی اسکول کی زندگی سے آرائس ایس سے جوڑے ہوئے ہیں۔ ان کے والد کنڑ آرائس ایس تھے۔ چنانچہ بیٹے میں آرائس ایس سے وابستہ ہو گئے۔

میں نے ڈاکٹر بھائی سے پوچھا کہ ہندو مسلم تعلق کو نارمل بنانے کے لئے کیا کرنا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ دونوں میں (interaction) بڑھایا جائے۔ میں نے کہا کہ اور کوئی عملی چیز جو مسلم سے آپ چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اجمودھیا اشوپر آپ لوگ راضی ہو جائیں۔ میں نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ کافی نہ ہو۔ کیوں کہ کہا جاتا ہے کہ آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہندو سنگھن کے لئے اینٹی مسلم فینک ہونا ضروری ہے۔ اس لئے اگر اجمودھیا اشوپر ختم ہو جائے تو آپ لوگ کوئی اور اشودھوڈ کر کھڑا کر س گے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ اس کا ثبوت دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جیل کے زمانہ میں مسلمان اور آرائس ایس دونوں دوست بن گئے تھے۔

ہاں کے رائے، الہ آباد یونیورسٹی میں ہسٹری کے پروفیسر ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں کبھی میلے میں گیا۔ وہاں ایک کروڑ سے زیادہ آدمی آتے ہیں۔ مگر میں نے دیکھا کہ وہاں کوئی جھوکا نہیں رہتا۔ کس آدمی کے پاس ایک پیسہ نہ ہو تب ہی اس کو کھانا مل جاتا ہے۔ یہ دھرم کی طاقت ہے۔

ایک صاحب نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ وہ پنی اے سی میں افسر ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہندو دھرم کے مطابق سچائی کئی ہو سکتی ہے اس لئے ہندو ازم کا نبی تو ہر ایک سے ہو سکتا ہے۔ مگر اسلام کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے مطابق، سچائی صرف ایک ہے۔ ایسی حالت میں اسلام کا نبی دوسروں سے کس طرح ہوگا۔

میں نے کہا کہ "سچائی کئی ہے" محض کہنے کی بات ہے۔ وہ عمل میں آنے والی نہیں۔ اگر وہ کوئی حقیقی

بات ہوتی تو ماضی میں برہمن لوگ بدھوں کے مندر نہ توڑتے۔ یا آج ہند تو کے علمبردار ۶ دسمبر کو باہری مسجد نہ توڑتے۔ میں نے کہا کہ اختلاف زندگی کی ایک حقیقت ہے۔ روزانہ کی زندگی میں گھر کے اندر اور گھر کے باہر ہم طرح طرح کے اختلافات سے دوچار ہوتے ہیں۔ وہاں ہم کیا کرتے ہیں۔ وہاں ہم برداشت کے اصول پر عمل کر کے زندگی گزارتے ہیں۔ یہی طریقہ مذہب میں بھی اختیار کرنا ہے۔ یعنی مذہب ہی عقائد کے اختلاف کے باوجود ٹائرنس (tolerance)۔

۱۹۴۷ء کے بعد نیشن بلڈنگ کا کام نہ ہو سکا۔ ایک صاحب نے کہا۔ اپنی بھومی کا (ذمہ داری) کو پورا کرنے کا دھیان آج بھی لوگوں میں نہیں۔ ۶ دسمبر کے بعد نیشن بلڈنگ میرے نزدیک ایسٹڈا میں نمبر ایک پر ہے۔

۱۹۸۳ میں ہم لوگ بات کرتے تھے کہ کسی گھر میں ایک دیکھتی مرا ہو تو اس کے گھر میں کتنا زیادہ آتک واد پیدا ہوگا۔ اب یہی بات اور زیادہ بڑھ کر ہمارے سامنے ہے۔ آج جن گھروں میں لوگ مرتے ہیں ان کے یہاں اور کتنا زیادہ آتک وادی پیدا ہوں گے۔

اوشیش سوامی (بندر ابن) نے کہا کہ اس شکتی کے نام تو انیک ہیں۔ لیکن شکتی ایک ہی ہے جسے مگن مینستا، خدا، گاڈ، رب، واہی، گرو، نام انیک ہیں۔ کنتو سمجھو دن ایک ہی شکتی کو کیا جاتا ہے۔ جھگڑا پوجا کا نہیں ہے اور پوجا پدھتی کا بھی نہیں ہے۔ جھگڑا کیوں اپنی دکانداری کا ہے۔ کیوں کہ کچھ لوگوں کی دکانداری انھیں تروں کے ذریعہ سے چلتی ہے اس لئے آپسی تہناؤ بھی دیکھنے میں ملتا ہے۔ یدری روحانی نظر سے دیکھیں تو سروم کھلو دم برہم یعنی برہم ہی سب میں سمایا ہوا ہے۔ جب سمی میں برہم سمایا ہوا ہے تو جاتی گت جھگڑے، اوپنچ پنچ کے جھگڑے، بھاشائی جھگڑے رہ ہی کہاں جاتے ہیں۔ اس لئے ہمیں اپنے نظریہ کو ذنیب اومی نظر کے ساتھ پوجانی نظر والا بھی بنانا ہوگا۔

ایک بڑے ہال میں فرشس پچھا ہوا ہے۔ سینا میں حصہ لینے والے تقریباً ساٹھ آدمی دائرہ کی صورت میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ مختلف لوگ موجودہ ملک حالت پر اپنی اپنی رائے کا اظہار کر رہے ہیں۔ اتنے میں ایک لڑکا ایک تھال لئے ہوئے داخل ہوتا ہے۔ تھال میں کٹی ہوئی مولیٰ مع پتہ رکھی ہوئی ہے جس پر نمک چھڑکا ہوا ہے۔ وہ لڑکا تھال لئے ہوئے سب کے سامنے سے گزرتا ہے۔ ہر ایک بقدر خواہش مولیٰ لے لیتا ہے اور اس کو کھانا شروع کر دیتا ہے۔ آخر میں چائے لائی جاتی ہے اور ہر ایک کے

ماننے چائے کی ایک پیالی رکھ دی جاتی ہے۔

یہ ایک مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بندر ابن کا یہ سینار کتنا سادہ تھا اور اس کی کارروائی کتنے بے تکلفی کے انداز میں کی گئی۔ یہ میرے ذوق کے عین مطابق تھا۔ کیوں کہ سادگی میری فطرت ہے۔ میں ہر معاملہ میں سادگی کو پسند کرتا ہوں۔

ایک صاحب نے کہا کہ سب سے پہلے یہ طے کرنا ہے کہ تم ایک ہے۔ دیش مد ہے، یاد دھرم مد ہے۔ دیش پہلے ہے یاد دھرم پہلے ہے۔ دھرم کو کچھ لوگوں نے مد بنایا۔ اس کا نتیجہ ہم نے دیکھ لیا کہ خود دیش خطرہ میں پڑ گیا۔ اس لئے اب اس کو ختم کرو۔ دیش کو مد بنانا۔

ایک صاحب نے کہا کہ جس طرح انگریزوں کے ایٹمی بومیں غلامی کی یادگار تھے۔ ان کو ہم نے ہٹایا۔ اسی طرح بابر کی مسجد جیسے ڈھانچے بھی مسلم غلامی کی یادگار ہیں۔ ان کو بھی توڑ کر ختم کرنا ہوگا۔ جب تک غلامی کی یہ یادگاریں کھڑی ہوئی ہیں، دیش میں شناختی آنے والی نہیں۔

ایک صاحب نے بابر کی مسجد ڈھانے کو عین درست بتایا۔ انھوں نے کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس پر ہمارے لوگ معذرت کا انداز کیوں اختیار کرتے ہیں۔ اگر پندرہ اگست پر ہم کو کوئی شرم نہیں ہے تو ۶ دسمبر پر بھی ہم کو شرم ماننا نہیں چاہئے۔

اس سینار میں ایک خاص تجربہ یہ ہوا کہ اگر مسلمان چپ رہیں تو خود ہندو لوگ ہم سے بہتر اور موثر انداز میں اس کا جواب دیں گے۔ اس کا تجربہ بندر ابن میں کئی بار ہوا۔ کئی بار ایسا ہوا کہ کسی مقرر نے مسلم دشمن تقریر کی۔ میں چپ رہا۔ اس کے بعد کوئی ہندو اٹھا اور اس نے نہایت طاقت ور انداز میں اس کا جواب دیا، ایسا کہ اگر میں جواب دیتا تو شاید میں اتنا طاقت ور جواب نہیں دے سکتا تھا۔

اودے پور کے کشور سنٹ (Telephone 28271) نے بڑی درد مندانه تقریر کی۔ انھوں نے کہا کہ آج یہ لوگ ساری بات گاندھی کے نام پر کر رہے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہی گاندھی داد ہے۔ اس اندولن سے جو شکستیں ابھری ہے وہ تو ہنسکتی ہے۔ پھر وہ گاندھی داد کیسے ہے۔ جب کہ گاندھی داد اہنسا کا نام ہے۔ میں نے گاندھی کے زمانہ کو دیکھا ہے۔ مگر آج جو کچھ ہو رہا ہے اس کو دیکھ کر مجھے اپنا جیون بالکل زرتھک لگتا ہے۔ نفرت کی آگ آج ویسا پک ہے۔ گاندھی کا دیش اب نہیں ہے۔ بالکل اندھ کار ہے۔

بندر ابن کی اس ٹینگ میں زیادہ بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جو بھارتیہ جنتا پارٹی سے کسی نہ کسی نوعیت کا تعلق رکھتے تھے۔ مجھے تقریباً کا موقع دیا گیا تو میں نے تقریباً آدھ گھنٹہ کی تقریر میں کہا کہ بھارتیہ جنتا پارٹی اپنے موجودہ سنگل پوائنٹ پروگرام (single-point programme) کے تحت کبھی مرکزی حکومت تک نہیں پہنچ سکتی۔ کچھ لوگ بھارتیہ جنتا پارٹی کو ایک قسم کی منظم حکومت (government-in-waiting) کا درجہ دے ہوئے ہیں، مگر موجودہ حالت میں ایسا ہونا ممکن نہیں میں نے کہا کہ بھارتیہ جنتا پارٹی ہند تو یا ہندو راشٹرا قائم کرنا چاہتی ہے۔ مگر مذہب کی بنیاد پر سیاسی نظام بنانا یہ روح عصر (spirit of the age) کے خلاف ہے۔ اور جو نظریہ عصری مزاج کے خلاف ہو اس کو تسلیم کرنا عملی طور پر ممکن نہیں ہوتا۔ اس کی قریبی مثال مسلم ملکوں کا تجربہ ہے مصر، پاکستان، الجزائر، سوڈان اور دوسرے ملکوں میں کچھ مسلم جماعتوں نے اسلامی حکومت قائم کرنے کا نعرہ بلند کیا۔ انہوں نے بڑی بڑی قربانیاں بھی دیں۔ مگر ان کو صدیوں کا کامی ہوئی۔ اور اس کی وجہ اسلامیت ہی تھی کہ مذہب کی بنیاد پر سیاسی نظریہ بنانا ایک ایسا نظریہ ہے جس کو وقت کی غالب سوچ کی تائید حاصل نہیں۔

میں نے کہا کہ بھارتیہ جنتا پارٹی اگر مرکزی سرکار بناتی ہے تو اس سے مجھے نہ اختلاف ہے اور نہ اس کو میں کوئی خطرہ سمجھتا ہوں۔ مگر میں یہ ضرور کہوں گا کہ "مندر۔ مسجد" کے اشوکی بنیاد پر وہ کبھی مرکز میں نہیں پہنچ سکتی۔ مرکز میں طاقت حاصل کرنے کے لئے بھارتیہ جنتا پارٹی کو کوئی ایسا اشولینا ہو گا جو پورے ملک کی دل چسپی کا اشو ہو، جو دلچسپی کو بنانے کا اشو ہو نہ کہ محدود طور پر مندر بنانے کا اشو۔

یہ عجیب بات ہے کہ عملی تجربہ کے بعد جو حالات سامنے آئے، اس کے بعد خود بھارتیہ جنتا پارٹی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ چنانچہ پارٹی کے بنگلور سیشن (جون ۱۹۹۳) میں انہوں نے صاف طور پر اپنی پالیسی میں تبدیلی کا اعلان کر دیا۔ پارٹی کے موجودہ صدر مرشلال کرشن آڈوانی نے کہا کہ اب ہمارا فوکس رام مندر بنانے پر نہیں ہو گا بلکہ بھارت کا ہما مندر بنانے پر ہو گا۔ ہمیں ملک سے بھرپور چار کو ختم کرنا ہے اور یہاں سماجی نشاۃ ثانیہ (social renaissance) کا دور لے آنا ہے۔

ایک صاحب نے غلطی کی تصحیح کے نظریہ پر سخت تنقید کی۔ انہوں نے کہا کہ اس طرح مسجد ڈھانے کے عمل کو اگر ایک بار آپ جائز (legitimate) مان لیں تو پھر مسئلہ مسجد تک نہیں رہے گا۔ وہ آگے تک جانے گا۔ بس اب ختم کرو، یہ کہنے کی ہمت ہمارے اندر ہونی چاہئے۔ ورنہ آئندہ بات یہاں تک پہنچے گی کہ ایک آدمی آپ کے گھر پہنچے گا اور کہے گا کہ یہ زمین تمہارے دادا نے میرے دادا سے زبردستی لے لی تھی، اب میں دوبارہ اس پر قبضہ کروں گا۔ اس کے بعد ہمارے سماج کا کیا حال ہوگا۔ اس کو سوچئے۔ اس طرح کے عمل سے ہنساکو (legitimacy) ملتی ہے۔

ایک ہندو اسکالر نے اپنی تقریر کے دوران یہ واقعہ بت لیا کہ گاندھی جی نے لکھا ہے کہ سکٹرز اور انڈیز میں کانفرنس (۱۹۳۱ء) کے موقع پر گاندھی جی کی ملاقات علامہ اقبال سے لندن میں ہوئی۔ اقبال نے اپنا تعارف کرانے ہوئے گاندھی جی سے کہا: میں کشمیری پنڈت ہوں۔

۱۹۲۷ء سے پہلے کے دور میں ہندو اور مسلمان دونوں عام طور پر اسی طرح اپنے پن کے انداز میں بات کرتے تھے۔ گمراہ "دوقومی نظریہ" کی مصنوعی تحریک کے نتیجہ میں دونوں طرف کامواج برپا کیا ہے۔ اب اس طرح کی بولی بولنے میں قومی عصبیت حائل ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر ہمیش شرما نوجوانی کی عمر سے آریس ایس سے وابستہ ہیں۔ ایک روز گفتگو کے دوران میں نے کہا اس وقت قومی ایکٹ لانے کے لئے سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے، وہ نارنس ہے۔

انہوں نے کہا کہ اگر گوگوالکر نارنس کے شدید کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم دوسروں کو صرف نارنس نہیں کرتے، ہم تو دوسروں کا سواگت کرتے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ۔

میں سچا تو تم بھی ہے۔

کئی لوگوں نے یہ بات کہی کہ دھرم سے متعلق جھگڑوں میں ہم کو زیادہ توجہ نہیں دینا چاہئے۔ زیادہ توجہ کے قابل دوسرے اشو ہیں، مثلاً تعلیم، اقتصادیات، افراد کے اندر نیش مثل کیہ کر پیداکرنا وغیرہ۔ آج سب سے زیادہ ضروری کام یہ ہے کہ نئی نسل کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ دیش کی ترقی میں اپنا صحیح رول ادا کر سکے۔

جن ستاکے پتر کار مسٹر رام بہادر رائے سب سے کم بولتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ جب

کبھی وہ بولتے ہیں تو لوگ بہت توجہ کے ساتھ ان کی بات سنتے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر میں نے سوچا کہ بعض لوگ زیادہ بولنے کو اہم سمجھتے ہیں۔ مگر کم بولنا اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ مگر کم بولنے کے لئے تحمل کی طاقت درکار ہے، اور تحمل کی طاقت بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے۔

ایک صاحب نے کہا کہ دیش میں ہنسنا (تشدد) بہت بڑھ گیا ہے۔ ہم لوگ ہنسنا کا وردہ اہنسا سے کریں گے، یہ طے کر کے یہاں سے ہیں اٹھنا ہے۔

ہم لوگوں کو ہر طرح کے بھید بھاؤ سے اوپر اٹھانا ہے۔ انسان سب سے بڑھ کر ہے، یہ مان کر یہاں سے جانا ہے۔ انسان پہلے ہے اور دھرم اور پالیٹکس سب اس کے بعد ہے۔

مسٹر راج نرائن سنگھ (P.A.C.) اعظم گڑھ میں پولیس افسر ہیں۔ انھوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ مسلمانوں کو دیش کے پھلے پر وچ کو اپنا پر وچ ماننا ہوگا۔ اس کے بنا کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنے مذہب کو سچا سمجھتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ایک صحیح اور باقی سب غلط ہیں تو ایسی حالت میں ایڈجسٹمنٹ اور بھائی چارہ کیسے قائم ہو سکتا ہے۔ اگر مسلمانوں کی نظر میں ہندو سب کے سب کافر ہیں تو دونوں میں برابری کا تعلق کیسے قائم ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کو ایسے تمام عقیدوں کو (disown) کرنا ہوگا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے سبندھ میں یہ ایک بہت پورن مدعا ہے۔ مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ پاکستان اگر کرکٹ جیتے تو وہ یہاں لڈو بانٹتے ہیں، پھر ان کی دیش جگتی پر کیسے دہش بکریا جائے۔

ایک روز کانفرنس کے اجلاس میں ایک انتہا پسند ہندو نے بڑی گراگرم تقریر کی۔ مسلم نقطہ نظر سے وہ کافی اشتعال انگیز تھی۔ میں خاموشی کے ساتھ تقریر سناتا رہا۔ اس کے بعد وقفہ ہوا تو میں کانفرنس ہال کے باہر نکلا۔ میں نے دیکھا باہر بالکل دوسرا منظر ہے۔ ہال کے باہر مقرر کی "اشتعال انگیزی" کا کوئی اثر نہ تھا۔

یہاں اب بھی درخت اس طرح ہریالی کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ آسمان کی وسعتیں بدستور اپنی جگہ قائم تھیں۔ سورج اپنی روایتی شان کے ساتھ اب بھی اپنی روشنی پھیلائے ہوئے تھا۔ چڑیوں کی آوازیں اس طرح سنائی دے رہی تھیں جیسے کہ انھیں ان باتوں کی کوئی پروا ہی نہ ہو۔ دوسری طرف مقامی بازار میں دیکھا تو یہاں بھی لوگ اسی طرح لین دین میں مشغول تھے۔

۱۔ وہ اس طرح اپنے اپنے کاموں میں سرگرم تھے جیسے کہ وہ ہمیشہ سرگرم رہتے ہیں۔  
 میں نے سوچا کہ وہ چیز جس سے لوگ بھرتے ہیں وہ تو صرف کانفرنس کے کمرہ کی گونج ہے۔  
 وہ بس ایک وقتی آواز ہے جو کبھی کبھی اخباروں میں چھپ جاتی ہے۔ اس کے سوا بقیہ ماری انسانیت  
 اور بقیہ تمام کائنات کے لئے وہ گویا ایک نہ ہونے والی بات (non-event) ہے۔ اس  
 قسم کے الفاظ سے غیر متاثر رہ کر وہ اپنے فطری راستہ پر چل رہی ہے۔ جو واقعہ وسیع تر دنیا کے  
 اعتبار سے اتنا کم اہم ہو اس پر مشتعل ہونے کی کیا ضرورت۔  
 ایک صاحب نے کہا کہ ہم لوگ تنتر کی بات کرتے ہیں۔ مگر ہم اس کو زور زبردستی سے لانا  
 چلتے ہیں۔ یہ تو متضاد بات ہے۔ جب جب ہم کروانے اور منوانے کی بات کرتے ہیں تو ہم ہنا  
 کی بات کرنے لگتے ہیں۔ پھر سوال یہ ہے کہ ہم کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم کو اس دلچسپی میں لوگ تنتر  
 لانا ہے یا ہنسا و ادلانا ہے۔

ایک صاحب نے کہا کہ جے پرکاش کے اندون میں ہم لوگ بہت بڑی تعداد میں جڑے  
 تھے، ہم کو آٹھ اشقی کہ اس سے کچھ اچھا نکلے گا۔ مگر جے پرکاش یہ کہہ کر مرے کہ میری تو کوئی سنا نہیں۔  
 اس طرح گاندھی جی آزادی کے بعد یہ کہہ کر مرے کہ اب میری نہیں چلتی۔

ایک صاحب نے کہا کہ اگر انگریز کا راج براتھا تو بابر کا راج کیوں برا نہیں تھا۔ انگریزوں کی  
 حکومت اگر اسلامی تھی تو بابر کی حکومت کیوں غلامی نہیں تھی۔  
 ایک صاحب نے اپنی تقریر ان الفاظ کے ساتھ شروع کی: میں تو سننے کے لئے آیا ہوں۔  
 اس کے بعد انہوں نے بولنا شروع کیا تو سب سے زیادہ لمبی تقریر انہیں نے کی۔ مزید یہ کہ سب  
 سے زیادہ زور زور سے بھی وہی بولے۔

گاندھی جی کے پوتے راج موہن گاندھی نے کافی مایوسانہ انداز میں تقریر کی۔ انہوں  
 نے کہا کہ بھارت کے سب لوگ بھارتیہ ہیں، یہ میں مانتا ہوں۔ مگر مجھے ایسا لگتا ہے کہ بہت سے  
 لوگوں کی سوچ یہ نہیں۔ آج ہی میں نے اخبار میں پڑھا کہ بمبئی کے کچھ نوجوانوں نے کچھ لوگوں کو  
 پکڑا اور ان سے زبردستی بچے شرمی رام "کہلایا۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم لوگوں کو آزادی  
 دینے کے لئے تیار رہیں یا نہیں۔ اگر اس دلچسپی کا مسلمان اپنے آپ کو ہندو نہیں جانتا تو کیا زبردستی اس



سے کہلوانا چاہتے ہیں کہ میں بند ہوں۔

۶ دسمبر کو اجودھیا میں جو ہو اس سے سارے دلشس میں الگاؤ واڈ بڑھے گا۔ اس میں شک نہیں۔ پھر دلشس کہاں جائے گا۔ اگر اجودھیا پر بات نہیں رکتی تو اس کے بعد کیا ہو جائے گا، کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

اب کیا کرنا چاہئے، اس کے لئے میرے پاس کوئی سمجھاؤ نہیں ہے۔ لیکن اگر بات ایوڈھیا پر رک جائے تو نئی شروعات ہو سکتی ہے۔ وہ جو مانگ ہے کاشی اور تھراکی، اسے تو چھوڑ دینا چاہئے۔ اگر ہم اس کو نہیں چھوڑ سکتے تو پھر تو مجھ کو اندھکار ہی اندھکار دکھائی دیتا ہے۔ بند راجن بندوؤں کا مقدس شہر ہے۔ یہاں تقریباً پانچ ہزار مندر ہیں، کئی سو کی تعداد میں آشرم ہیں۔ یہاں ہمارا قیام گیتا آشرم میں تھا۔ اس نام سے تقریباً دو درجن آشرم مختلف مقامات پر ہیں۔ ان سب کا ہیڈ کوارٹر ہردوار میں ہے۔

مقامی سنکرت و دیالیہ کے ۲۰ طلبہ آشرم کے ہوٹل میں رہتے ہیں۔ یہ سب برہمن کے لوگ ہیں۔ یہاں تعلیم و تربیت پانے کے بعد وہ اپنے وطن چلے جائیں گے اور وہاں پنڈت کا کام سنبھالیں گے۔ ان کی ضرورت کی تمام چیزیں یہاں مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ آشرم کی تعمیر بالکل جدید انداز میں ہوئی ہے۔ پورا نفرش سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ طلبہ کو نہایت صاف ستھرا کھانا دیا جاتا ہے۔ اس کا رسوئی گھر مجھے بہت پسند آیا۔ یہاں روزانہ تقریباً تین سو آدمی کا کھانا تیار کیا جاتا ہے۔ یہ ایک بڑے کمرہ میں واقع تھا۔ میں نے اندر کی طرف دیکھا تو درمیان میں ایک بڑا سا چوکور تواریکھا ہوا تھا۔ اس کے اوپر بیک وقت پندرہ روٹیاں پکائی جاسکتی ہیں۔ توڑے کے نیچے گیس کا چولھا جل رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ آشرم کے پاس چالیس گیس سلنڈر کالائسنس ہے۔

آشرم کے طلبہ صبح ۴ بجے اٹھ جاتے ہیں۔ ہر روز کا سب سے پہلے اشناں کرتا ہے۔ کپڑا بدلتا ہے۔ اس کے بعد تیار ہو کر ایک بڑے کمرہ میں سب کے سب جمع ہو جاتے ہیں۔ یہاں سوامی اوشیشا نندن کو گیتا کا پانچواں کراتے ہیں۔ آخر میں سب مل کر ایک ہندی نظم پڑھتے ہیں۔ آریس ایس کے ایک دانشور نے کہا کہ دلشس بنانا ہے، یہی اصل مدعا ہے۔ "دلشس بنانا ہے" یہ کام میرے حساب سے دس بارہ سال سے نہیں ہو رہا ہے۔ کون بنا رہا ہے، کون بنائے

کا۔ مجھے کوئی نہیں ملاحظہ ہے کہ "میں بناؤں گا۔"

"راج نیستی نے دیش بنانے کے لئے کچھ نہیں کیا۔ بلکہ اس کام کو بگاڑا اور اتنا زیادہ بگاڑا کہ وہ مجرم ہیں۔ ان کے ساتھ جو بھی کیا جائے کم ہے۔ ہر دیکھتی میں یہ بھاؤنا آنا چاہئے کہ "میں دلشس بناؤں گا۔" انہوں نے کہا کہ رچنا تک چھیتیریں آریس ایس نے ۶۰ سال تک کام کیا ہے۔ اب ہم کو دلشس بنانے کے لئے راج نینک چھیتیر کو لینا ہوگا۔

اس قسم کی باتوں کو سن کر مجھے غصہ نہیں آتا۔ بلکہ میں سوچتا ہوں کہ موجودہ اتھل پھل شاید اس لئے ہو رہی ہے کہ ہندو ازم جو ابھی تک صرف نظری طور پر قابل رد تھا، وہ عملی اعتبار سے بھی قابل رد ہو جائے۔

۱۶ جنوری ۱۹۹۳ کی صبح کو میں بند راجن سے متفرک گیا۔ اس سفر کا مقصد کرشن جنم استھان کے معاملہ کو براہ راست طور پر دیکھنا اور سمجھنا تھا۔ میرے ساتھ ڈاکٹر ہمیش شرما، ڈاکٹر راج کمار بھائیانا، مشرانام بہادر رائے بھی تھے۔

وہاں میں نے دیکھا کہ کرشن جنم استھان کے نام سے ایک بہت بڑا کامپلکس بنا ہوا ہے اور مسجد اس سے بالکل الگ ہے۔ کرشن کا جنم استھان پوری طرح مندر کے احاطہ میں ہے۔ اور وہاں روزانہ درشن اور پوجا کا عمل جاری ہے۔ ہم لوگ جب اس خاص کمرہ کو دیکھ کر باہر آئے جس کو کرشن کا جنم استھان کہا جاتا ہے تو مشرانام بہادر رائے نے کہا: متفرک اور کاشی کو اوجھیا کی کٹگری میں نہیں ڈالنا چاہئے۔ کرشن کا جنم استھان تو مسجد میں مشاغل ہی نہیں۔

دوسرے صاحب نے کہا: یہاں جنم استھان پر قبضہ کا جھگڑا نہیں ہے۔ یہاں یہ جھگڑا ہے کہ جنم استھان کا دیوار کدھر سے ہو۔ یہ لوگ مسجد کی طرف اس کا دیوار کھولنا چاہتے ہیں۔

کرشن جنم استھان کی سیرٹی کے پاس ایک بڑا سا بورڈ رکھا ہوا ہے۔ اس پر ہندی میں کئی باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ اس پر درج ہے کہ شری کرشن کا اوتار اس جگہ پر ۳۱۶۸ ق م میں ہوا تھا۔ اس مندر کو پہلی بار محمود غزنوی نے ۱۰۱۷ء میں توڑا۔ ۱۱۵۰ء میں راجہ وجے پال نے دوبارہ سے اس کو بنوایا۔ سکندر لودی نے سولہویں صدی میں اس کو پھر توڑا۔ اس کے بعد ۱۶۱۳ء میں ویرنگہ دیو نے اس مندر کو پھر بنوایا۔ اس کے بعد اورنگ زیب نے ۱۶۶۹ء میں اس کو توڑا اور مندر

کی زمین کا بڑا حصہ لے کر یہاں مسجد بنوائی۔ اب پھر یہاں زیادہ بڑے پیمانے پر مندر کا پھیلکس بنوایا جا رہا ہے۔

کرشن جنم استھان کے اوپر سے مسجد دکھائی دے رہی تھی۔ مگر وہاں پہنچنے کا کوئی اچھا راستہ نہیں آدنی ایک کچے اور تنگ راستہ سے گزر کر ایک گہرے نالہ کے سامنے پہنچتا ہے۔ اس نالہ پر کوئی پل نہیں ہے۔ اس کے اندر اتر کر اس کو پار کرنا پڑتا ہے۔ ان مراحل سے گزر کر ہم لوگ مسجد کے پاس پہنچے۔

یہ ایک خوبصورت شاہی دور کی مسجد ہے، اس کے سامنے ایک اونچا گیٹ ہے جو بعد کو ۱۳۴۶ء میں علی خاں، رئیس مسعود آباد نے بنوایا تھا۔ اس کے اوپر ایک فارسی قطعہ ہے۔ اس کا ایک شعر یہ ہے:

بگردا بخش منتظامیہ آن کار صدائے آفریں بر فراست از صغار و کبار

اس مسجد کے پاس کچھ مسلمان آباد ہیں۔ ان کے تقریباً ۲۰۰ گھر ہیں۔ یہ لوگ گانے اور بھینس کا کاروبار کرتے ہیں۔ یہاں ہر طرف گندگی اور بے ترتیبی کے مناظر تھے۔ پورا محلہ کوڑے خانہ کا منظر پیش کر رہا تھا۔ کچھ مسلمانوں سے ملاقات ہوئی۔ ان میں سے ایک ظہور محمد صاحب تھے۔ مسجد کے امام صاحب سے ملاقات ہو سکی۔

معلوم ہوا کہ مسجد میں پانچ وقت نماز ہوتی ہے۔ جمعہ کے روز پوری مسجد بھر جاتی ہے۔ ظہور محمد (۷۵ سال) مسجد کے پاس رہتے ہیں۔ ان سے تفصیلی گفتگو ہوئی۔ وہ دوسرے مسلمانوں کی طرح بھینس کا کام کرتے ہیں۔ ان کا بیان یہ ہے کہ ۱۹۵۴ تک یہاں سب مسلمانوں کی آبادی تھی۔ پیچھے کی جگہ خالی تھی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں جھگڑا ہوا۔ مقدس مقام ہوا۔ کو تو ال وغیرہ نے صلح کرائی۔ مسلمان اس پر راضی ہوئے کہ خالی جگہ مندر کے لئے دیدی جائے۔

کو تو ال نے کہا کہ ہندو لوگ یہاں مندر بنائیں تو آپ لوگوں کو اعتراض تو نہیں ہوگا۔ مسلمانوں نے کہا کہ نہیں۔ اگر وہ اپنی ذاتی کوٹھی بنائیں تو ہم کو اعتراض ہوگا۔ اگر وہ مندر بنائیں تو ہم کو کوئی اعتراض نہیں۔ ظہور محمد صاحب نے کہا — میں قوم سے جاٹ، مذہب سے مسلمان اور پیشہ سے گھوسا ہوں۔

ڈاکٹر سریندر شرما۔ بندرا بن (۶۵ سال) سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے متحرا کے بارہ میں حسب ذیل کہانی سنائی: یہاں پہلے سے کیشو دیوجی کا مندر تھا۔ اس کو کیشو دیو کو کڑا کہا جاتا تھا۔ اور نگ زریب نے اس مندر کو توڑا اور اسی کی نیو پر مسجد بنائی۔ مرہٹہ کاراج ہوا تو انھوں نے اس کو نزول بھومی ڈکلیئر کر دیا۔ مگر بنوایا نہیں۔ اسٹ انڈیا کمپنی کا ادھیکار آ گیا تب بھی نزول بھومی رہی۔ کمپنی کے زمانہ میں نیسلائی ہوئی۔ تقریباً چودہ سو روپیہ میں راجہ ٹینی مل نے سارے چھیترو خرید لیا۔ پھر اس کے بعد اسی چھیترو میں ریلوے لائن نکلی۔ ریلوے لائن نے معاوضہ راہہ کو دیا۔ مسلمانوں نے برٹش گورنمنٹ کے ٹائم میں دعویٰ پیش کیا کہ اس کو نہیں دیا جائے۔ فور کورٹ میں مقدمہ خارج کر دیا گیا۔ ہائی کورٹ میں بھی خارج ہو گیا۔ ۱۹۲۸ میں مسلمانوں کی طرف سے پھر مقدمہ دائر کیا گیا۔ ۱۹۳۲ میں فیصلہ ہوا۔ اس فیصلے میں اس کی پوری ہسٹری مشال کی گئی۔ اب منوہر لال شرما اینڈ وکیٹ نے رٹ دائر کی ہے الہ آباد ہائی کورٹ میں۔ اس میں معاہدہ کو کالعدم کرنے کو کہا گیا ہے۔

۱۶ جنوری ۱۹۹۳ کی شام کو دہلی واپس آیا۔ جب گیتا آ شرم سے نکل کر ہماری گاڑی بندرا بن کے بازار سے گزری تو میں نے دیکھا کہ بازار کے لوگ بدستور اپنی تجارتی سرگرمیوں میں مشغول ہیں۔ یہاں بندر اور سلم سوال کو بھول کر لوگ اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ گویا کہ وہ زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ کمانا اور کھانا ہے۔ تمہارے بھاشٹروں سے ہمیں کچھ لینا دینا نہیں۔

شہر سے باہر نکلے تو دنیا اور زیادہ وسیع تھی۔ یہاں فطرت کا ماحول ایک آفاقی پیغام دے رہا تھا۔ آسمان کی وسعتیں بدستور قائم تھیں۔ درخت بدستور اپنی ہریالی دکھا رہے تھے۔ سورج اور چاند کا نظام بدستور اپنی جگہ قائم تھا۔ ہواؤں کے جھونکے بدستور اپنا سہانا پیغام دے رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ لوگ اشتعال انگیز باتوں پر بھڑکتے ہیں مگر جو آواز اتنی بے قیمت ہو کہ بولنے کے ساتھ ہی ہوا میں تحلیل ہو کر رہ جائے۔ یا اخبار میں چھپ کر شام تک ردی کی ٹوکری میں پہنچنے والی ہو، اس پر بھڑکنے یا مشتعل ہونے کی کیا ضرورت۔

۱- بمبئی میں طلقہ الرسالہ کے کچھ لوگ (نسیم علی خاں صاحب وغیرہ) نے ایک مفید کام شروع کیا ہے۔ یہ کام وہ اسلام پر سچے کینڈر کے نام سے کر رہے ہیں۔ یہ ثبت انداز میں اسلامی پیمانہ پہنچانے کا کام ہے۔ اس کام کی نوعیت اس سے سمجھ میں آتی ہے کہ بمبئی کے شیوسیدنا کے اخبار سامنا (۱۰ جولائی ۱۹۹۳) میں ایک مضمون چھپا۔ اس کا عنوان تھا: پہلے قرآن پڑھو پھر چلاؤ۔ اس میں کہا گیا تھا کہ ہندستان کے فسادات کا سبب قرآن کی کچھ آیتیں ہیں۔ اسلام پر سچے کینڈر والوں نے اس کا براہ راست جواب نہیں دیا۔ البتہ سامنا کے اگلے شمارہ (۲۲ جولائی ۱۹۹۳) میں ایک اشتہار چھپوایا۔ اس میں اعلان تھا کہ اسلام کو سمجھنے کے لیے قرآن کا ترجمہ اور دوسری کتابیں ہم سے مفت حاصل کریں۔ اس اشتہار کے چھپنے کے بعد تقریباً ۹۰ آدمیوں نے خط یا ٹیلی فون کے ذریعہ رابطہ قائم کیا اور کہا کہ ہم اسلام کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

۲- سرسجولا شرمہ نے ۲ اگست ۱۹۹۳ کو ہندستان ٹائمس کے لیے صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ اس انٹرویو کا تعلق زیادہ تر ریلیجن بل سے تھا۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ مذہب بلاشبہ ہر آدمی کا مقدس حق ہے۔ مگر کسی کو یہ اجازت نہیں ہونا چاہیے کہ وہ مذہب کو اپنے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرے۔ یہ انٹرویو ہندستان ٹائمس ۱۵ اگست ۱۹۹۳ میں شائع ہوا ہے۔

۳- مسلم انٹیلیجنٹیا میٹ کی طرف سے ۸ اگست ۱۹۹۳ کو جے این یو ٹی سنٹر (نئی دہلی) میں ایک کنونشن ہوا۔ اس میں علماء اور مسلم دانشور بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی۔ اس کنونشن کا موضوع تین طلاق کا مسئلہ تھا۔ اس موضوع پر وہاں صدر اسلامی مرکز نے ایک تقریر کی۔ اس کی رپورٹ ٹائمس آف انڈیا (۹ اگست اور دہلی کے دوسرے اخبارات میں شائع ہوئی۔

۴- آئی وٹنس (Eyewitness) کی نمائندہ سرز نشٹھا جین نے ۹ اگست ۱۹۹۳ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ انٹرویو کا موضوع "اسلام میں عورت کا مقام" تھا۔ ایک سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ اسلام میں عورت اور مرد کا ورک پلیس بنیادی طور پر الگ الگ رکھا گیا ہے۔ اور یہی اصول حیاتیاتی حقائق کے مطابق ہے۔

5- پیرس (فرانس) کی ایک خاتون مریم غاملی (Dr Mariam Ghalmi) جدید اسلامی تحریکوں پر ریسرچ کر رہی ہیں۔ انہوں نے ۱۲ اگست ۱۹۹۳ کو صدر اسلامی مرکز کا اس سلسلہ میں تفصیلی انٹرویو لیا۔ تحریکی مسائل کے مختلف پہلوں پر بحث آئے۔ یہ ریسرچ وہ پیرس یونیورسٹی کے شعبہ سماجیات کے تحت کر رہی ہیں۔

6- دین ریال ریسرچ انسٹیٹیوٹ (نئی دہلی) کے ہال میں ۱۵ اگست ۱۹۹۳ کو یوم آزادی کی تقریب سے ایک جلسہ ہوا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور وہاں ایک مفصل تقریر کی۔ تقریر کا موضوع تھا — انڈیا کی تعمیر و ترقی کا مسئلہ۔

7- ریاض کی جامعۃ الامام کے چھ عرب اساتذہ کا وفد دکتور عبدالعزیز بن عبداللہ الحارثی کی قیادت میں ۱۵ اگست ۱۹۹۳ کو مرکز میں آیا اور صدر اسلامی مرکز سے تفصیلی تبادلہ خیال کیا۔ گفتگو کا موضوع مرکز کی سرگرمیوں سے لے کر ملت اسلامیہ کے مسائل تک محیط تھا۔

8- آئی وٹنس (Eyewitness) کی ویڈیو ٹیم ۱۸ اگست ۱۹۹۳ کو اسلامی مرکز میں آئی اور صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ یہ انٹرویو ویڈیو پر ریکارڈ کیا گیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر اسلام سے تھا۔ اسلام میں بندہ اور خدا کا تعلق، اسلام میں علماء کا مقام، اسلام میں شوہر اور بیوی کے حقوق، اسلام میں جدید تقاضوں کا حکم، وغیرہ امور پر سوال و جواب کی صورت میں وضاحت کی گئی۔

9- آل انڈیا ریڈیو، نئی دہلی سے صدر اسلامی مرکز کی دو تقریر نشر کی گئی۔ ایک ۲ ستمبر ۱۹۹۳ کو اور دوسری ۹ ستمبر ۱۹۹۳ کو۔ دونوں کا موضوع اخلاقی تعلیمات تھا۔ دونوں میں یہ بتایا گیا کہ بہتر سماج بنانے کے لیے افراد کے اندر کون سے اخلاقی اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔

10- ہندی روزنامہ ہندستان (دہلی) کے نمائندہ مسٹر موہن سنگھ نے ۲۱ اگست ۱۹۹۳ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ انٹرویو ایک گھنٹہ تک جاری رہا۔ اس میں ہندستانی مسلمانوں کے مختلف مسائل پر بحث آئے۔

11- ہفت روزہ نئی دنیا (دہلی) کے نمائندہ نے ۲۴ اگست ۱۹۹۳ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ اس کا موضوع سیرت رسول تھا۔ یہ انٹرویو اخبار کے سیرت نمبر کے لیے تھا۔

۱۲- ریڈیو آسٹریلیا کے نمائندہ مہتمم نے ۲۴ اگست ۱۹۹۲ کو ٹیلی فون پر صدر اسلامی مرکز کا مختصر انٹرویو کیا۔ اس انٹرویو کا تعلق تطبیقات ثلاثہ کے مسئلے سے تھا۔ انہیں اس سلسلہ میں دونوں نقطہ نظر بتا دیے گئے۔

۱۳- ۲۴ اگست ۱۹۹۲ کی شام کو نئی دہلی کے تال کٹورہ اسٹیڈیم میں ایک کانفرنس تھی۔ دہلی اور دہلی کے باہر کے لوگ بڑی تعداد میں شریک تھے۔ اس کا نظم بھارتیہ جنتا پارٹی نے کیا تھا۔ ان کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی۔ اور قرآنی آیت المصلح خیر کی روشنی میں ایک تقریر کی۔

۱۴- رابطہ عالم اسلامی اور سعودی عرب کی وزارت اوقاف کے زیر اہتمام کولمبو میں ایشیائی مسلمانوں کے مسائل پر ایک کانفرنس ۲۶-۲۸ اگست ۱۹۹۲ کو ہوئی۔ اس کے دعوت نامہ پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی۔ وہاں ایک عربی مقالہ پڑھا اور مباحثہ میں شرکت کی۔ اس کی تفصیلی روداد انشائرا لٹر سفر نامہ کے تحت شائع کی جائے گی۔

۱۵- انگریزی ہفت روزہ انڈیا ٹوڈے کے اسپیشل کورسپانڈنٹ مسٹر فزندانہ احمد نے ۸ ستمبر ۱۹۹۲ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو کیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر اس مسئلے سے تھا کہ موجودہ حالات میں مسلمانوں کا ملی منصوبہ یا ان کی سیاسی پالیسی کیا ہونا چاہیے۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی ملی پالیسی مخالفت غیر بد مبنی ہونے کے بجائے تغیر خویش پر مبنی ہونا چاہیے۔

۱۶- نیویارک میں کچھ لوگوں نے "مکتبہ الرسالہ" کی شاخ قائم کی ہے۔ وہ الرسالہ کی انگریزی مطبوعات کو دوبارہ چھاپ کر پھیلا رہے ہیں۔ حال میں انہوں نے دی ٹیچنگز آف اسلام (دینی تعلیم کا انگریزی ترجمہ) اور دوسری کئی انگریزی کتابیں فوٹو کاپی کے ذریعہ خوب صورت انداز میں چھپوائی ہیں اور ان کو امریکہ میں پھیلا رہے ہیں۔ اسی قسم کا کام کچھ عرب نوجوان یورپ میں بھی کر رہے ہیں۔

۱۷- ایک نئی کتاب تیار ہوئی ہے۔ اس کا نام "عظمت اسلام" ہے۔ وہ تقریباً ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں اسلام کے مختلف پر عظمت پہلو بیان کیے گئے ہیں جن کا تعلق نظریہ سے بھی ہے اور تاریخ سے بھی۔

## انجینی الرسالہ

ماہنامہ الرسالہ ایک وقت اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اردو الرسالہ کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ ہندی اور انگریزی الرسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو تمام انسانوں تک پہنچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی انجینی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہنچائیں۔ انجینی گویا الرسالہ کے توقع قارئین تک اس کو مسلسل پہنچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی انجینی لینا ملت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اس طرح الرسالہ (ہندی اور انگریزی) کی انجینی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی ہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے اور نبوت ہے اور ملت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

### انجینی کی صورتیں

الرسالہ (اردو، ہندی یا انگریزی) کی انجینی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔... اپرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن ۳۲ فی صد ہے۔ پبلنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمے ہوتے ہیں۔ زیادہ تعداد والی انجینوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کیے جاتے ہیں۔

کم تعداد کی انجینی کے لیے ادائیگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحب انجینی ہر ماہ اس کی رقم بذریعہ آرڈر روانہ کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینے میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

### ذریعہ تعاون الرسالہ

ہندستان کے لیے		بیرونی ممالک کے لیے (جوانی ڈاک)		(بحری ڈاک)	
ایک سال	Rs 70	ایک سال	\$20 / £10	\$10 / £5	
دو سال	Rs 135	دو سال	\$35 / £18	\$18 / £8	
تین سال	Rs 200	تین سال	\$50 / £25	\$25 / £12	
پانچ سال	Rs 300	پانچ سال	\$80 / £40	\$40 / £18	
خصوصی تعاون (سالانہ)	Rs 500	خصوصی تعاون (سالانہ)	\$100 / £50		

ڈاکٹر سنی آئیہہ صاحبہ نے ہندوستان میں انجینیوں کے ذریعہ ہندوستان میں اسلام کی دعوت کو بڑھانے کے لیے کام کیا ہے۔



# نئی اور زیر طبع کتابیں

مولانا وحید الدین خان کے قلم سے

۸ روپیہ	۵۶ صفحات	علماء اور دورِ جدید
۴ روپیہ	۳۸ صفحات	عظمتِ مومن
۳۵ روپیہ	۲۱۱ صفحات	ہندستانی مسلمان
۲۵ روپیہ	۴۲ صفحات	حدیثِ رسولؐ
۳۰ روپیہ	۵۶ صفحات	اجہات المؤمنین
۴ روپیہ	۳۸ صفحات	راستے بند نہیں (ہندی)
۴ روپیہ	۳۸ صفحات	آخری سفر (ہندی)

Words of the Prophet

208 pages

Rs. 65

Divorce in Islam

16 pages

Rs. 5

Al-Risala Books, New Delhi

## عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

30/-	A-14	7/-	روشن مستقبل	-	انوارِ حکمت	اردو
30/- <td>A-15 <td>7/- <td>صوم رمضان</td> <td>8/- <td>تعمیر کی طوف</td> <td>سید محمد رفیق قرآن جلد اول</td> </td></td></td>	A-15 <td>7/- <td>صوم رمضان</td> <td>8/- <td>تعمیر کی طوف</td> <td>سید محمد رفیق قرآن جلد اول</td> </td></td>	7/- <td>صوم رمضان</td> <td>8/- <td>تعمیر کی طوف</td> <td>سید محمد رفیق قرآن جلد اول</td> </td>	صوم رمضان	8/- <td>تعمیر کی طوف</td> <td>سید محمد رفیق قرآن جلد اول</td>	تعمیر کی طوف	سید محمد رفیق قرآن جلد اول
30/- <td>A-16 <td>7/- <td>علم کلام</td> <td>20/- <td>تسلیم کی تحریک</td> <td>سید محمد رفیق قرآن جلد دوم</td> </td></td></td>	A-16 <td>7/- <td>علم کلام</td> <td>20/- <td>تسلیم کی تحریک</td> <td>سید محمد رفیق قرآن جلد دوم</td> </td></td>	7/- <td>علم کلام</td> <td>20/- <td>تسلیم کی تحریک</td> <td>سید محمد رفیق قرآن جلد دوم</td> </td>	علم کلام	20/- <td>تسلیم کی تحریک</td> <td>سید محمد رفیق قرآن جلد دوم</td>	تسلیم کی تحریک	سید محمد رفیق قرآن جلد دوم
		-	ویدیا ٹیکنیکسٹ	20/- <td>تجدید دین</td> <td>اشد اکبر</td>	تجدید دین	اشد اکبر
200/- <td>V-1 <td>8/- <td>پیغمبر انقلاب</td> <td>30/- <td>عقائے اسلام</td> <td>پیغمبر انقلاب</td> </td></td></td>	V-1 <td>8/- <td>پیغمبر انقلاب</td> <td>30/- <td>عقائے اسلام</td> <td>پیغمبر انقلاب</td> </td></td>	8/- <td>پیغمبر انقلاب</td> <td>30/- <td>عقائے اسلام</td> <td>پیغمبر انقلاب</td> </td>	پیغمبر انقلاب	30/- <td>عقائے اسلام</td> <td>پیغمبر انقلاب</td>	عقائے اسلام	پیغمبر انقلاب
200/- <td>V-2 <td>7/- <td>اسلام در آئی امن</td> <td>- <td>مذہب اور مائیس</td> <td>مذہب اور جدید حیاتیات</td> </td></td></td>	V-2 <td>7/- <td>اسلام در آئی امن</td> <td>- <td>مذہب اور مائیس</td> <td>مذہب اور جدید حیاتیات</td> </td></td>	7/- <td>اسلام در آئی امن</td> <td>- <td>مذہب اور مائیس</td> <td>مذہب اور جدید حیاتیات</td> </td>	اسلام در آئی امن	- <td>مذہب اور مائیس</td> <td>مذہب اور جدید حیاتیات</td>	مذہب اور مائیس	مذہب اور جدید حیاتیات
- <td>V-3 <td>- <td>اسلام دور جدید کا خالق</td> <td>8/- <td>قرآن کا مطلب انسان</td> <td>عظمت قرآن</td> </td></td></td>	V-3 <td>- <td>اسلام دور جدید کا خالق</td> <td>8/- <td>قرآن کا مطلب انسان</td> <td>عظمت قرآن</td> </td></td>	- <td>اسلام دور جدید کا خالق</td> <td>8/- <td>قرآن کا مطلب انسان</td> <td>عظمت قرآن</td> </td>	اسلام دور جدید کا خالق	8/- <td>قرآن کا مطلب انسان</td> <td>عظمت قرآن</td>	قرآن کا مطلب انسان	عظمت قرآن
- <td>V-4 <td>3/- <td>امت مسلمہ اور جدید حیاتیات</td> <td>5/- <td>دین کیا ہے</td> <td>عظمت اسلام</td> </td></td></td>	V-4 <td>3/- <td>امت مسلمہ اور جدید حیاتیات</td> <td>5/- <td>دین کیا ہے</td> <td>عظمت اسلام</td> </td></td>	3/- <td>امت مسلمہ اور جدید حیاتیات</td> <td>5/- <td>دین کیا ہے</td> <td>عظمت اسلام</td> </td>	امت مسلمہ اور جدید حیاتیات	5/- <td>دین کیا ہے</td> <td>عظمت اسلام</td>	دین کیا ہے	عظمت اسلام
- <td>V-5 <td>8/- <td>اسلام اور سماجی انصاف</td> <td>7/- <td>اسلام دینِ نظرت</td> <td>عظمت صحابہ</td> </td></td></td>	V-5 <td>8/- <td>اسلام اور سماجی انصاف</td> <td>7/- <td>اسلام دینِ نظرت</td> <td>عظمت صحابہ</td> </td></td>	8/- <td>اسلام اور سماجی انصاف</td> <td>7/- <td>اسلام دینِ نظرت</td> <td>عظمت صحابہ</td> </td>	اسلام اور سماجی انصاف	7/- <td>اسلام دینِ نظرت</td> <td>عظمت صحابہ</td>	اسلام دینِ نظرت	عظمت صحابہ
- <td>V-6 <td>7/- <td>اسلام اور دورِ حاضر</td> <td>6/- <td>تعمیر ملت</td> <td>دین کامل</td> </td></td></td>	V-6 <td>7/- <td>اسلام اور دورِ حاضر</td> <td>6/- <td>تعمیر ملت</td> <td>دین کامل</td> </td></td>	7/- <td>اسلام اور دورِ حاضر</td> <td>6/- <td>تعمیر ملت</td> <td>دین کامل</td> </td>	اسلام اور دورِ حاضر	6/- <td>تعمیر ملت</td> <td>دین کامل</td>	تعمیر ملت	دین کامل
God Arises	Rs 85/-	4/-	اسلام کا تبارک	7/- <td>سیرتِ کا سبق</td> <td>الاسلام</td>	سیرتِ کا سبق	الاسلام
Muhammad	85/-	2/- <td>ہندی</td> <td>5/- <td>فوائد کا سلسلہ</td> <td>ظہور اسلام</td> </td>	ہندی	5/- <td>فوائد کا سلسلہ</td> <td>ظہور اسلام</td>	فوائد کا سلسلہ	ظہور اسلام
The Prophet of Revolution	2/-	5/- <td>سچائی کی تلاش</td> <td>5/- <td>انسان اپنے آپ کو پہچان</td> <td>اسلامی زندگی</td> </td>	سچائی کی تلاش	5/- <td>انسان اپنے آپ کو پہچان</td> <td>اسلامی زندگی</td>	انسان اپنے آپ کو پہچان	اسلامی زندگی
Islam As It Is	40/-	6/- <td>انسان اپنے آپ کو پہچان</td> <td>5/- <td>تعارف اسلام</td> <td>احیاء اسلام</td> </td>	انسان اپنے آپ کو پہچان	5/- <td>تعارف اسلام</td> <td>احیاء اسلام</td>	تعارف اسلام	احیاء اسلام
God Oriented Life	60/-	3/- <td>پیغمبرِ اسلام</td> <td>5/- <td>اسلام پندرہویں صدی میں</td> <td>سازِ حیات</td> </td>	پیغمبرِ اسلام	5/- <td>اسلام پندرہویں صدی میں</td> <td>سازِ حیات</td>	اسلام پندرہویں صدی میں	سازِ حیات
Words of the Prophet	60/-	3/- <td>عربی</td> <td>7/- <td>ایمانی طاقت</td> <td>عراطقیہ</td> </td>	عربی	7/- <td>ایمانی طاقت</td> <td>عراطقیہ</td>	ایمانی طاقت	عراطقیہ
Indian Muslims (Hb)	145/-	85/- <td>الاسلامیتجدی</td> <td>7/- <td>ایمان اور ملت</td> <td>خاتون اسلام</td> </td>	الاسلامیتجدی	7/- <td>ایمان اور ملت</td> <td>خاتون اسلام</td>	ایمان اور ملت	خاتون اسلام
Indian Muslims (Pb)	55/-	- <td>الاسلام والمصلحہ الحدیث</td> <td>7/- <td>آتما دولت</td> <td>سوشلزم اور اسلام</td> </td>	الاسلام والمصلحہ الحدیث	7/- <td>آتما دولت</td> <td>سوشلزم اور اسلام</td>	آتما دولت	سوشلزم اور اسلام
Introducing Islam	30/-	7/- <td>مترجم کی اور</td> <td>7/- <td>سبق آموز واقعات</td> <td>اسلام اور عصر حاضر</td> </td>	مترجم کی اور	7/- <td>سبق آموز واقعات</td> <td>اسلام اور عصر حاضر</td>	سبق آموز واقعات	اسلام اور عصر حاضر
Religion and Science	30/-	10/- <td>آڈیو کیسٹ</td> <td>7/- <td>نزلہٴ قیامت</td> <td>ارباب</td> </td>	آڈیو کیسٹ	7/- <td>نزلہٴ قیامت</td> <td>ارباب</td>	نزلہٴ قیامت	ارباب
Tabligh Movement	20/-	7/- <td>A-1 حقیقت ایمان</td> <td>5/- <td>حقیقت کی تلاش</td> <td>کاروانِ ملت</td> </td>	A-1 حقیقت ایمان	5/- <td>حقیقت کی تلاش</td> <td>کاروانِ ملت</td>	حقیقت کی تلاش	کاروانِ ملت
Islam the Voice	-	7/- <td>A-2 حقیقت نماز</td> <td>7/- <td>پیغمبر اسلام</td> <td>حقیقت سچ</td> </td>	A-2 حقیقت نماز	7/- <td>پیغمبر اسلام</td> <td>حقیقت سچ</td>	پیغمبر اسلام	حقیقت سچ
of Human Nature	-	7/- <td>A-3 حقیقت روزہ</td> <td>7/- <td>آخری سفر</td> <td>اسلامی تعلیمات</td> </td>	A-3 حقیقت روزہ	7/- <td>آخری سفر</td> <td>اسلامی تعلیمات</td>	آخری سفر	اسلامی تعلیمات
Islam the Creator	-	7/- <td>A-4 حقیقت زکوٰۃ</td> <td>7/- <td>اسلامی دعوت</td> <td>اسلام دور جدید کا خالق</td> </td>	A-4 حقیقت زکوٰۃ	7/- <td>اسلامی دعوت</td> <td>اسلام دور جدید کا خالق</td>	اسلامی دعوت	اسلام دور جدید کا خالق
of Modern Age	-	10/- <td>A-5 حقیقت حج</td> <td>10/- <td>نہا اور انسان</td> <td>حدیث رسول</td> </td>	A-5 حقیقت حج	10/- <td>نہا اور انسان</td> <td>حدیث رسول</td>	نہا اور انسان	حدیث رسول
The Way of Find God	6/-	7/- <td>A-6 سنت رسول</td> <td>5/- <td>حل یہاں ہے</td> <td>سفر نامہ (غیر ملکی سفار)</td> </td>	A-6 سنت رسول	5/- <td>حل یہاں ہے</td> <td>سفر نامہ (غیر ملکی سفار)</td>	حل یہاں ہے	سفر نامہ (غیر ملکی سفار)
The Teachings of Islam	7/-	7/- <td>A-7 میدانِ عمل</td> <td>7/- <td>سچا راستہ</td> <td>میوات کا سفر</td> </td>	A-7 میدانِ عمل	7/- <td>سچا راستہ</td> <td>میوات کا سفر</td>	سچا راستہ	میوات کا سفر
The Good Life	7/-	25/- <td>A-8 پیغمبرِ انزہ پربانی</td> <td>7/- <td>دینی تعلیم</td> <td>قیادت نامہ</td> </td>	A-8 پیغمبرِ انزہ پربانی	7/- <td>دینی تعلیم</td> <td>قیادت نامہ</td>	دینی تعلیم	قیادت نامہ
The Garden of Paradise	7/-	25/- <td>A-9 اسلامی دعوت</td> <td>7/- <td>حیاتِ طیبہ</td> <td>راہِ عمل</td> </td>	A-9 اسلامی دعوت	7/- <td>حیاتِ طیبہ</td> <td>راہِ عمل</td>	حیاتِ طیبہ	راہِ عمل
The Fire of Hell	7/-	25/- <td>A-10 اسلامی اخلاق</td> <td>10/- <td>بارغِ جنت</td> <td>تعمیرِ غلطی</td> </td>	A-10 اسلامی اخلاق	10/- <td>بارغِ جنت</td> <td>تعمیرِ غلطی</td>	بارغِ جنت	تعمیرِ غلطی
Man Know Thyself!	4/-	25/- <td>A-11 آتما دولت</td> <td>7/- <td>نارِ جہنم</td> <td>دین کی سیاسی تعبیر</td> </td>	A-11 آتما دولت	7/- <td>نارِ جہنم</td> <td>دین کی سیاسی تعبیر</td>	نارِ جہنم	دین کی سیاسی تعبیر
Man Know Thyself!	4/-	25/- <td>A-12 تعمیرِ ملت</td> <td>- <td>خلیجِ ڈائری</td> <td>اقوالِ حکمت</td> </td>	A-12 تعمیرِ ملت	- <td>خلیجِ ڈائری</td> <td>اقوالِ حکمت</td>	خلیجِ ڈائری	اقوالِ حکمت
Muhammad The Ideal	6/-	25/- <td>A-13 نصیحتِ لقمان</td> <td>3/- <td>-</td> <td>ڈائری جلد اول</td> </td>	A-13 نصیحتِ لقمان	3/- <td>-</td> <td>ڈائری جلد اول</td>	-	ڈائری جلد اول
Character	-	25/- <td>-</td> <td>- <td>- <td>ڈائری جلد دوم</td> </td></td>	-	- <td>- <td>ڈائری جلد دوم</td> </td>	- <td>ڈائری جلد دوم</td>	ڈائری جلد دوم
Polygamy and Islam	3/-	25/- <td>-</td> <td>- <td>- <td>سفر نامہ (ملکی سفار)</td> </td></td>	-	- <td>- <td>سفر نامہ (ملکی سفار)</td> </td>	- <td>سفر نامہ (ملکی سفار)</td>	سفر نامہ (ملکی سفار)
Words of Wisdom	-	25/- <td>-</td> <td>- <td>- <td>-</td> </td></td>	-	- <td>- <td>-</td> </td>	- <td>-</td>	-
فائل الرسائلہ اردو (مجمد)	-	25/- <td>-</td> <td>- <td>- <td>-</td> </td></td>	-	- <td>- <td>-</td> </td>	- <td>-</td>	-
1982 سال	100/-	25/- <td>-</td> <td>- <td>-</td> <td>-</td> </td>	-	- <td>-</td> <td>-</td>	-	-
1985	100/-	25/- <td>-</td> <td>- <td>-</td> <td>-</td> </td>	-	- <td>-</td> <td>-</td>	-	-
1986	100/-	25/- <td>-</td> <td>- <td>-</td> <td>-</td> </td>	-	- <td>-</td> <td>-</td>	-	-
1987	100/-	25/- <td>-</td> <td>- <td>-</td> <td>-</td> </td>	-	- <td>-</td> <td>-</td>	-	-
1988	100/-	25/- <td>-</td> <td>- <td>-</td> <td>-</td> </td>	-	- <td>-</td> <td>-</td>	-	-
1989	100/-	25/- <td>-</td> <td>- <td>-</td> <td>-</td> </td>	-	- <td>-</td> <td>-</td>	-	-
1990	100/-	25/- <td>-</td> <td>- <td>-</td> <td>-</td> </td>	-	- <td>-</td> <td>-</td>	-	-
1991	100/-	25/- <td>-</td> <td>- <td>-</td> <td>-</td> </td>	-	- <td>-</td> <td>-</td>	-	-
فائل الرسائلہ انگریزی (مجمد)	-	25/- <td>-</td> <td>- <td>-</td> <td>-</td> </td>	-	- <td>-</td> <td>-</td>	-	-
1984 تا 1991	100/-	25/- <td>-</td> <td>- <td>-</td> <td>-</td> </td>	-	- <td>-</td> <td>-</td>	-	-
فائل الرسائلہ ہندی (مجمد)	-	25/- <td>-</td> <td>- <td>-</td> <td>-</td> </td>	-	- <td>-</td> <td>-</td>	-	-
1990-91	100/-	25/- <td>-</td> <td>- <td>-</td> <td>-</td> </td>	-	- <td>-</td> <td>-</td>	-	-

AL-RISALA BOOK CENTRE

1, NIZAMUDDIN WEST MARKET, NEW DELHI 110 013 Tel 4697333,